لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۲۰۳۱۵

تخمیس

یعنی

مخمس نعت نبی

تضمین نظم دل افروز مصنفہ مداحِ رسولِ زمن ثانی اویسِ قرن صوفی پاک باطن
مولوی محمد محسن صاحب کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ

و

عرض حال عاصیان

یا

تضمین قصیدۂ عرض حال مصنفہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مغفور
از فکر رواردی علی احسن صاحب احسن مارہروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ و آلہ الکریم

مقدمہ

خلق را بیدار باید بود زاب چشم من
ویں عجب کاں دم کہ می گریم کسے بیدار نیست

اب سے بیس سال پہلے بعض اطمینانی صحبتیں ایسی میسر آگئی تھیں جن میں چند خوش طبع اور سخن سنج احباب جمع رہتے تھے، ہر وقت کی نشست و برخاست، رات دن کے مذاکرۂ علمی میں شعرخوانی و شاعری کا عنصر غالب رہتا تھا۔ اُن صحبتوں میں روح رواں کی طرح منشی حیات بخش رسا کا وجود تھا، جن کا آج سے چار پانچ برس پہلے انتقال ہو چکا۔ اُن کی بذلہ سنجیاں اور سخن آرائیاں اگرچہ ہر وقت کی صحبتوں میں سامعہ نواز نہیں ہوتی تھیں کیونکہ وہ اُس وقت ضلع ایٹہ میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے، مگر جس مہینے دو مہینے میں وہ آ جاتے

تھے اُن کی ایک دن کی ملاقات ہفتوں بزمِ سخن کی گرم بازاری کے لیے کافی ہوتی تھی
اُسی دوران میں مرحوم نے ایک خمسہ نعتیہ سُنایا جو مولانا مولوی محمد محسن صاحب کاکوروی کی
نظمِ دل افروز پر اُنھوں نے موزوں کیا تھا۔ نظمِ مذکور ۱۳۱۸ھ ہجری میں کہی گئی تھی جس کی تضمین
سب سے پہلے غالباً منشی سید طاہر علی صاحب طاہر فرخ آبادی نے کی تھی، اُس کے بعد مرحوم
رسا اور اُن کے ساتھ بعض اور احباب مین پوری نے یہ سعادت حاصل کی جب رسا کا
مخمس مارہرے میں سُنا گیا تو یہاں بھی چار شخصوں نے بہت زیادہ شوق و شغف کے ساتھ
تخمیس و تضمین کا ارادہ کیا۔ ان مؤخر الذکر کہنے والوں میں عمِ مکرم سید مخدوم عالم صاحب
اثر مرحوم نبیرہ حضرتِ جدی سید شاہ صاحب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید امیر حسن صاحب
دلیر مارہروی نبیرہ سید داور علی صاحب مرحوم اور منشی یوسف حسن صاحب طپش مارہروی کے اتحادِ
ثلاثہ کے ساتھ چوتھا درویش خاکسار احسن بھی شامل تھا۔ ان عناصرِ اربعہ میں کوئی خمسہ اس وقت
تک زیورِ طباعت سے مزین نہیں ہوا ہے اور افسوس ہے کہ حضرتِ اثر مرحوم کے انتقال
نے اُن کے بے بہا خمسے کی اشاعت و طباعت سے نا اُمید کر دیا، اسی طرح جنابِ دلیر
کی سہل انگاری اور بے پروائی نے اپنے خمسے کو ایسا کھویا ہے جس کا پتا نہیں چلتا۔ البتہ مخمسِ
عیش جنابِ طپش فکرِ طبع میں کچھ جولانیاں دکھا رہے ہیں یہ دیکھکر کہ زمانے کا دستِ انقلاب
دفترِ شبانہ روزی کے اوراق جلد جلد اُلٹ رہا ہے اور کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

(وہ ہر روز کام میں (رہتا) ہی)

کی گردان ہر وقت پیش نظر ہی -

فقیر بے بضاعت اپنی نامطبوع بضاعت نذرِ ناظرین کر رہا ہی - کیوں کہ ؎

عیشِ دنیا را بقاے نیست دیدی غنچہ را
یک تبسم کرد عمرے در پریشانی گذشت

اس وقت تک جتنی تضمینیں نظم دل افروز کی دیکھی اور سُنی گئی ہیں اُن کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہی جن میں چار چھ زیورِ طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہیں حضرتِ محسن کے کلام کی دل آویزی اور عام مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہی کہ وجود غیر متعارف اور اجنبی طرزِ سخن کے ہر ایک سننے والا محو ہو جاتا ہی جن جن حضرات نے اس نظم کی تضمین میں طبع آزمائی کی ہی اُنھوں نے اپنی اپنی قوت و لیاقت کے مطابق کافی دادِ سخن دی ہی - ہیچ میرز کے مخمس کی تعریف و خصوصیت صرف یہ ہی کہ نعتِ شریف کی سعادت حاصل کی گئی ہی اور کوشش کے ساتھ اسکا لحاظ رکھا گیا ہی کہ اصل نظم کے متبرک و صحیح مضامین کو عامیانہ اور شاعرانہ تخئیل و لغویات سے بچایا جائے - اسکے سوا اگر کوئی اور بات ہو اُس کا اندازہ خود ناظرین کے مذاق کر سکتے ہیں - با ایں ہمہ ؎

از کثرتِ خلق کا ختلافِ مِلَل ست ٭ توحید طلب کہ مدعائے ازل ست
در خانۂ زنبور مکن اندیشہ، کہ آں ٭ ہر چند کہ بسیار بود یک عسل ست

اگرچہ یہ مخمّس موزونیت کے اٹھارہ (۱۸) برس بعد شائع ہو رہا ہے مگر اسکا نام وہی قائم رکھا گیا ہے جس سے کہ زمانۂ تنظیم میں موسوم ہو چکا تھا یعنی **مخمس نعتِ نبی** یہ نام مُشعرِ تاریخ بھی ہے اور چونکہ حضرت **محسن** مبرور کی زندگی ہی میں اسکی تکمیل ہو چکی تھی اور اس کی اطلاع و نقل بھی اُن تک پہنچ چکی تھی نیز اکثر احباب و معاصرین میں شہرت ہو چکی ہے نام کا تغیّر و تبدّل ضروری نہیں سمجھا گیا۔ غرض کہ جب یہ مخمّس تکمیل ہو گیا تو مرحوم رسالے کے ذریعے سے مولانای مبرور کو اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے اپنی شفقتِ خاص سے اسکے متعلق جو خط و کتابت فرمائی اُس میں سے بعض کی نقل بحرفہ یہاں کی جاتی ہے۔ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کے والانامے میں لکھتے ہیں۔

صوفی صاف نہاد زیب مسند تلقین و ارشاد احسن اللہ الیہ۔ آج منشی حیات بخش صاحب کا خط جلیسر سے آیا کہ میرے کرم فرما میر اوصاف علی صاحب سکرٹری کے مکان پر جلسہ ہوا اور بزرگانِ مارہرہ کی چار تضمینیں پڑھی گئیں اور حقیقت میں بہت عمدہ چاروں تضمینیں ہوئی ہیں اور وہ لوگ بہت ہی لایق اشخاص ہیں لہذا بسلسلہ تحریرِ گزشتہ جو چار پانچ روز ہوئے میں نے لکھی ہے ایک غزل نعتیہ کی چاروں صاحبوں کی تضمینیں میرے پاس بھیج دیجیے۔ کُل کے بھیجنے میں تو بہت تکلّف ہوگا مگر ایک غزل کی چار تضمینیں کچھ بہت نہیں ہیں۔ آپ کی عنایتوں سے اُمید ہے کہ دو ہی تین دن میں میرے پاس بھیج دیں۔ محمد محسن عفی عنہ

اسی سلسلے میں تاریخ تحریر کی تقدیم و تاخیر کے لحاظ کیے بغیر دو خطوں کی نقلیں اور کی جاتی ہیں جن میں بعض باتیں مطالب اشعار کی بابت پوچھی گئی تھیں مولانا کے کلام میں استعارہ

و مجاز کی جو خصوصیتیں ہیں اُن کا مفصل حال آیندہ معلوم ہوگا۔ یہاں موجودہ نظم کے دو شعروں کی بابت جو استفسار کیا گیا تھا اُس کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔

ید بیضا چراغِ طور سے روشن کیے دستی ٭ کہ سجدے میں جھکا ہوگا اندھیرا لتے بھر میں

اس شعر کے متعلق دو معنی مختلف دماغوں نے پیدا کیے تھے۔ اوّل یہ کہ شبِ معراج دستی لئے ہوئے ید بیضا موجود تھا۔ دوم یہ کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام ید بیضا کی دستی لیے تشریف فرما تھے۔ اس کے جواب میں حضرتِ محسن لکھتے ہیں۔

حاجی صاحب قدوۃ السالکین سلمہ اللہ۔ آپ کی صفائی طبیعت و حسنِ لیاقت و خوبی بندش و ترکیبِ معانی و مبانی مجھے اُس تاریخ سے معلوم ہوگئی تھی جو آپ نے رسا کی تضمین پر لکھی تھی میں آپ کے اس خط کا نہایت شکرگزار ہوا۔ شعر (ید بیضا) کے معنی وہی صحیح ہیں جو آپ نے معنیِ اوّل قرار دیے ہیں۔ اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں مشعل کا ہونا خلافِ ادب ہے۔ معنی ثانی ہرگز مقصودِ شاعر نہیں ہیں۔ آپ غور کیجیے کہ اُس مطلب کے ساتھ یا دوسرے مطلب کے ساتھ جس کو معنیِ ثانی آپ لکھتے ہیں مصرعہائے تضمین کیا ربط رکھتے ہیں حقیقت میں تضمین کے مصرع شعر کی مناسبت سے ہونا چاہیے مثلاً ید بیضا کی حسنِ خدمت محض بنظر تعظیم تھی ورنہ ممدوح کے جمالِ جہاں آرا سے سب اندھیرے مٹ جاتے۔ محمد محسن ۵ رمئی سنہ ۱۹۰۲ء

اسی طرح یہ شعر ع باستقبال آیا مرحبائے آدم و عیسیٰ + الخ۔ اس میں لفظ مرحبا کی تذکیر کو دریافت کیا گیا تھا، جواباً جو خط موصول ہوا اس کی نقل حسب ذیل ہے۔

صوفیِ صاف باطن پاک نہاد زیبِ مسندِ ارشاد سلمہ اللہ۔ آج کل طبیعت میری نہایت مضمحل ہی عوارض کہنہ اور پیرانہ سالی نے ایسا مجبور کر دیا ہی کہ یہ لکھنا میں نے شروع کر دیا ہی بشرط زندگی معلوم نہیں کہ کی دن میں ختم کروں گا۔ یہ آپ لوگوں کی سخن فہمی و قدردانی ہی جو تضمین کی محنت گوارا کی ہی۔ اور ایسے اشعار پر جن کو اب میں خود نہیں سمجھتا ہوں۔ آپکے اسلاف کرام سے تو مجکو نسبت اخوت اور نیازمندی کی ہی۔ حضرت صاحب عالم صاحب سخن فہم کیا سخن آفریں تھے اُنھیں کا فیض آپ میں موجود ہی اور سید مقبول عالم صاحب اپنی منش کے ایک تھے۔ اور سید داور علی مرحوم اُناؤ والے میرے بہت بے تکلف دوست تھے اور طپش کے والد ماجد سے میری ملاقات ہی اور خود طپش بھی ایسی حالت میں ملے تھے کہ میں اور وہ دونوں بیمار تھے۔ اس لڑکے کی لیاقت میں نے وہی پائی جو مرزا دبیر و انیس میں تھی۔ جو بند آپنے لکھے ہیں وہ ہر ایک لاجواب معلوم ہوتے ہیں ایک بھی اصلاح طلب نہیں ہی اور امید ہی کہ سب ایسے ہی ہونگے اصلاح کیا بلکہ بامعانِ نظر مجکو دیکھنے کی طاقت نہیں۔ رام پور سے تین تضمینیں شروع جاڑوں میں میرے پاس آئی تھیں دو تین مہینے رکھ کر آخر واپس کر دیں۔ طپش جانتے ہیں ہاں اس قدر ضرور ہو کہ جب آپ لوگ یہ احسان تمام کر چکیں تو میرے پاس بھیج دیجیے کہ یادگار رہے۔ مرحبا کی تذکیر و تانیث مجکو معلوم نہیں ہی لیکن چوں کہ علامت تانیث کی پائی نہیں جاتی لہٰذا بحیثیت تذکیر اس کا استعمال میں نے پسند کیا! ورمیں نے ساری عمر نہ کسی کو اُستاد کیا نہ کسی کی زبان کا پابند ہوا نہ ایسی شاعری کا قصد کیا کہ اس کی حاجت ہوتی۔ کبھی کبھی دو چار شعر نعت کے لکھے بقصدِ عبادت۔ اور معذوری ہاتھ کے سبب باریک کاغذ پر میں لکھ نہیں سکتا اس سبب سے اس کاغذ (چھپے ہوئے کارڈ) پر لکھا ہی۔ آپ لوگوں سے امید ہی کہ دعائے حُسنِ خاتمہ سے مجکو یاد رکھیے۔ محمد محسن۔ ۱۱ و ۱۲ مئی سنہ ۱۹۰۴ء

اس خط میں جن بزرگوں کے نام مولانا نے لکھے ہیں وہ بزرگ ہم چاروں مخمس لکھنے والوں کے اسلاف کرام تھے۔ مولانائے مبرور کا اسلامی اخلاق اور بزرگانہ منش

اس کی مقتضی تھی کہ ایک البتہ خاندان پیرزادہ کو خط لکھتے وقت ایسے القاب سے یاد کیا جائے
ورنہ فی الحقیقۃ مکتوب الیہ اس قابل نہیں۔ لفظ مرحبا کے متعلق مولانا نے جو خیال ظاہر کیا
ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرحبا کلمۂ تحسین وندا ہے جس کے لیے تذکیر و تانیث کی تخصیص نہیں اکثر
یہ لفظ ترکیب کے ساتھ بطور صفت مستعمل ہوتا ہے مثلاً ع مرحبا کہتے ہوئے لوگ چلے آتے ہیں ؛
یا مرحبا گو یا مرحبا خواں وغیرہ۔ میر حسن دہلوی مثنوی سحر البیان میں کہتے ہیں ؎

غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — حسن آفریں مرحبا مرحبا

دراصل عربی زبان میں یہ لفظ خوش آمدید کا ترجمہ ہے جس کا استعمال مہمان کی تعظیم کے لیے کیا
جاتا ہے۔ اور فارسی میں شاباش و آفریں کے محل پر بھی بولا جاتا ہے وہی تقلید اردو میں جاری ہو گئی
اور چونکہ آفریں شاباش واہ وا یہ سب کلمات تحسین اردو میں مؤنث مستعمل ہوتے ہیں اسی ضمن
میں مرحبا کو بھی مؤنث کہا ہے۔ چنانچہ جلال لکھنوی اپنے رسالۂ مفید الشعرا میں اور جلیل مانکپوری
نے رسالۂ تذکیر و تانیث میں اس لفظ کو مؤنث ہی لکھا ہے۔ اور مثال میں جان صاحب ریختی گو
کا یہ شعر دیا ہے ؎

تو جو آئے سوت بہت سوتی ہے — مرحبا چار طرف ہوتی ہے

بہرحال جیسا کہ مولانا محسن نے اپنے خط میں لکھا ہے وہ اُن شعرا میں نہ تھے جن کو خواہ مخواہ
تقلید کی مجبوریوں سے دوسروں کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔

ان چند خطوط کی نقل سے اپنا ترفع تعارف منظور نہیں بلکہ اصل مقصود اہلِ کمال کی ہر ایک یادگار کا قائم رکھنا ہی۔ اگر مولانا کی مکمل سوانح عمری لکھی جائیگی تو اُس کے لیے یہ چند حروف اُن کی نیک نفسی، وسیع الخیالی، بالغ نظری اور پاک مشربی کی شرح ہو سکتے ہیں۔

قبل اس کے کہ بامذاق ناظرین حضرت محسن کی نظم دل افروز اور اُسکی تضمینوں کو دیکھیں مناسب معلوم ہوتا ہی کہ عموماً نعتِ شریف اور خصوصًا مولانائے ممدوح کی نعت گوئی کے متعلق مختصر خیالات کا اظہار کیا جائے۔ اس خصوص میں اب سے دس بارہ برس پہلے رسالہ فصیح الملک میں ایک تبصرہ موصوف کے کلام پر من جانب مولوی امیر احمد صاحب بی اے علوی کاکوروی شائع ہوا تھا جسکو فقیر راقم نے اپنی تمہیدی رائے کے ساتھ شائع کر دیا تھا چونکہ اب اُس رسالے کے نمبر کم یاب ہیں اس لیے ناموزوں نہ ہوگا اگر اُس فکرِ کہن کو موجودہ اشاعت کے ساتھ تازہ کر دیا جائے اور چونکہ وہ تبصرہ بجائے خود جامع و مکمّل تبصرہ ہی اور یہ کلام بغیر اس نقد و نظر کے عوام کی پرکھ میں نہیں آسکتا، نیز اُس سے نعتِ محسن کی خصوصیات کے سوا اور فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں لہٰذا اُس کا اندراج بہرصورت مفید سمجھا گیا ؎

عشق می ورزم و امّید کہ این فنّ شریف
چوں ہنرہائے دگر موجب حرماں نہ شود

پُرانی روش کی تقریظیں جو مشرقی رنگ میں لکھی جاتی ہیں اُن میں سراسر مصنّف کتاب کی مدح سرائی

ہوتی ہے، نہ نفسِ مضمون سے غرض رکھی جاتی ہے نہ مصنف کی قابلیت اور سچی محنت کی صحیح داد دی جاتی ہے اور جبکہ یہی رُخ ٹھیک نہیں دکھایا جاتا تو مصنف کی اُن لغزشوں یا سہو پر کیا نظر ہو سکتی ہے جو انسانیت کا خاصہ ہے۔

تقریظ لکھنے کی اصل غرض اور اُس کے شایع کرنے کا تنہا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کتاب کے تمام و کمال مضمون دیکھنے سے پہلے ناظرین تقریظ اُس کتاب کی پوری حالت کا اندازہ کر سکیں، مگر مذکورہ بالا روش کی تقاریظ کے متعلق بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ فی ہزار ایک ناظر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ایسی تقریظوں کی دو سطریں بھی پڑھ سکے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کتاب کا حجم بڑھانے کے سوا ان تقریظوں سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اکثر تقریظ لکھنے والے مؤلفِ کتاب کے عزیز، رشتہ دار ہوتے ہیں یا شاگرد و معتقد، ایسے لوگ عموماً کتاب اور صاحب کتاب کی مدح سرائی کے دائرے سے ایک نقطہ آگے نہیں بڑھتے ان کے گمان میں کسی معمّر کے غلط کارناموں کی صحیح تنقید گناہِ کبیرہ ہے حالانکہ ان باتوں سے چشم پوشی بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔

جناب مولانا مولوی **محسن** کاکوروی جناب **علوی** (تبصرہ نویس) کے نانا تھے جن کی نعت گوئی نے خدا اور خدا کے رسول کی غیبی سندِ قبولیت کے ساتھ ساتھ علمی دُنیا کی مخلوق سے بھی قبولِ عام کا تمغا حاصل کیا ہے۔ یہ اعجازی دلکشی انھیں بزرگ کے متبرک کلام میں دیکھی جاتی ہے کہ باوجود فارسی ترکیب اور خاص تلمیحات و تشبیہات کے ہر اُردو خوان سخن فہم اُنکے اشعار کا دلدادہ اور اُنکے کلام کا فریفتہ نظر آتا ہے۔

سچ ہے۔

اگر سخن بدل از گوش بیشتر نرسد ؎ یقیں شناس کہ از نارسائیِ سخن است

عرصہ دراز سے فطری و غیر فطری شاعری کے متعلق بحثیں چھڑی ہوئی ہیں، نئی روش کے دلدادہ عموماً پرانی شاعری کے طریقے کو ناپسند کرتے ہیں۔ گُل و بلبل کے افسانے، وصال و ہجر کی داستانیں دہن و کمر کا عدم و وجود، مبالغہ آمیز تخیلات اور آسمان و زمین کے قلابے ملانے کو مضامینِ پارینہ اور خیالات

فاسد سمجھکر نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے، مگر مبارک ہیں وہ شاعر جو حمد و نعت اور منقبت کے میدانوں کو طے کرتے ہوئے ان کانٹوں کو پھول اور اس نار کو نور بناتے جاتے ہیں بیشک عام انسانوں میں کسی کو آسمان منزل، فلک بارگاہ، عرش آشیاں، خلاصۂ کائنات، فخر موجودات، بے نظیر و بے ہمتا کہنا ناموزوں اور مبالغہ ہے مگر یہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ توصیفی الفاظ حمد و نعت میں بے تکلف کھپ سکتے ہیں اور انکا مفہوم کسی طرح غلط نہیں کہا جاسکتا یقیناً عام معشوقوں کی کمر کو کالعدم سمجھنا اور دہن کو نقطۂ موہوم جاننا معشوق کو بھان متی کا تماشا بنانا ہے۔ لیکن اسی قبیل کا خیال بلا تشبیہ نعتِ شریف میں آں حضرت کے سایہ نہ ہونے کی بابت ایسا اعجازی مضمون ہے جس پر کوئی مسلمان انگشت نمائی نہیں کرسکتا۔ المختصر صنفِ نعت گوئی میں جو شان اور امتیازی حیثیت محسنؔ کے کلامِ عالی مرتبت کو حاصل ہے اُن خوبیوں اور خصوصیتوں کو جس حُسن و خوبی سے مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے اپنے تبصرے میں ظاہر کیا ہے اُس کا پڑھ لینا اُن کے کلام کی سیر سے پہلے نہایت ضروری ہے جس کا مناسب انتخاب یہاں لکھا جاتا ہے۔

عرب کے قدیم باشندے مکّے کے ایک بتخانے کو مذہباً متبرک سمجھتے تھے اور اس صنم کدے کے مجاوروں کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ انھیں مجاوروں کے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جسکا باپ اس کی پیدائش سے پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا اور ماں نے اُس کے ہوش سنبھالنے سے بیشتر دُنیا سے کوچ کیا تھا۔ پہلے ضعیف العمر جدِ امجد اور پھر ایک کثیر العیال چچا نے اُس کی کفالت کی نہ تعلیم کا کوئی انتظام تھا نہ تربیت کی کوئی صورت نہ کوئی علمِ ادب کا سکھلانے والا تھا نہ کوئی زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنے والا اس نے جب ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ جھوٹ دغا فریب، مکاری کی ہر طرف گرم بازاری ہے، لڑائی جھگڑے قصے

قصبے قصبے قبیلے قبیلے میں برپا ہیں۔ زنا۔ بدفعلی۔ حرام کاری کا چار سو رواج ہی اور یہ کچھ عیب نہیں شراب خواری۔ قماربازی۔ اور حرام خوری دن رات کا مشغلہ ہی اور یہ کوئی جرم نہیں۔ خداوند لاشریک کی عبادت تو درکنار اُس کی خدائی کا بھی کوئی معترف نہیں محلے محلے کے دیوتاؤں کو کون جوڑے جب ایک ہی گھر میں تین سو ساٹھ خدا موجود ہیں۔ کیا تماشا ہی کہ اُس بچے کے کانوں میں تو ابھی تک اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) کی صدا گونجی ہی اور یہاں شہر کے گوشے گوشے سے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (ہم ہیں تمہارے بڑے پروردگار) کا نعرہ سُنائی دیتا ہی۔

قاعدہ ہی کہ بچہ جو افعال و حرکات اپنے عزیزوں اور پرورش کرنے والوں کے دیکھتا ہی۔ وہی خود بھی اختیار کرتا ہی اور جس شائستگی یا جہالت سے وہ ایامِ نادانی میں متاثر ہوجاتا ہی اُس کا اثر تو تمام عمر اُس پر باقی رہتا ہی ۔ لہذا گمانِ غالب تھا کہ یہ طفل بھی اپنے بھائی بندوں کے طور طریقے اختیار کرتا مگر خوش قسمتی سے عقلِ سلیم اور ذہنِ رسا دو خداداد نعمتیں فوق العادت اُس کے ساتھ تھیں اور انھیں نے گویا اُس کی تہذیبِ اخلاق کا بیڑا اُٹھایا۔ اُس کو چاند و سورج کا طلوع اور غروب دیکھکر صانعِ شمس و قمر کا ادراک کرنے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ ذہنِ رسا نے سنِ رُشد سے پہلے ہی اُس کے دل میں خدائے واحد کا اعتقاد راسخ کردیا اور عقلِ سلیم نے نیک و بد میں تمیز کرنا اُس کے لیے ایسا سہل بنادیا کہ جن احکام کے لیے تہذیب یافتہ قوموں کو الواحِ زبر جدی* کی حاجت ہوئی تھی اور پھر بھی بہت سے مسائل مختلف فیہ رہ گئے تھے اُس نے

* صحائفِ آسمانی سے مراد ہی مثلاً توریت ۱۲

اُن تمام مباحث کو بلا اعانتِ غیرے حل کرلیا جب یہ معصوم یتیم اپنے ملکی خداوندوں سے بیزاری ظاہر کرتا۔ ایک نئے معبود کو قابلِ پرستش بتاتا۔ لہو ولعب فسق وفجور سے دور بھاگتا اور ہر موقع پر الصلح خیر کا عملی وعظ دیتا تھا تو اُس کے گھر والے ان انوکھے خیالات پر ہنستے تھے اور بجائے اس کے کہ مفید اور سودمند نصائح سے نفع اُٹھاتے ناصح کو نادان اور بے وقوف سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ لڑکا جوان ہوا اور برادرانِ وطن کی اصلاح کا خیال جو بچپن سے اُس کے دل میں تھا پختگی پر آیا تو اُس نے سب سے پہلے اپنے ہی گھر والوں کی اصلاح کرنی چاہی ۔ سکے زہد وتقویٰ کا نقش تو اُن کے دلوں پر ایسا گہرا جما ہوا تھا کہ اُس کے مخالفوں کے سرگروہ نے بھی یہ تسلیم کرلیا کہ اگر محمدؐ بیان کرے کہ کوہ صفا کے پیچھے ایک عظیم الشّان لشکر دشمنوں کا قریش کی سرکوبی کے لیے جمع ہی تو بیشک سچ ہوگا کیونکہ اُس کی زبان سے جھوٹ کبھی سُنا ہی نہیں۔ اُس کی صلح پسندی امانت اور دیانت پر تمام ملک وقوم کو اتنا اعتبار تھا کہ قومی عبادت خانے کی جدید عمارت میں حجرِ اسود قائم کرنے کے متعلق تمام قبائلِ قریش میں جو نزاعِ عظیم تھی اُس کا تصفیہ اسی یتیم کے سُپرد کیا لیکن پھر بھی اُس میں ایک بہت بڑی بُرائی یہ تھی کہ وہ نیک تھا اور اُس کی نیکی کے سامنے بدوں کی بُرائیاں زیادہ نمایاں معلوم ہوتی تھیں اور اسی قصور کی سزا تھی کہ جب اُس نے اپنے بھائی بندوں کو نیکی کرنے کی ترغیب دینا چاہی تو سوائے گالیوں کے کچھ جواب نہ ملا۔

تہذیبِ اخلاق اور اصلاحِ عقائد کا جوش جو اس پیغامبر کے دل میں بھرا ہوا تھا وہ عزیزوں کی ناراضی سے دب نہ سکتا تھا۔ وہ خفگی کا اظہار کرتے تھے اور یہ کلمۃ الحق پر قائم تھا۔ وہ ڈراتے دھمکاتے تھے اور اس کو حافظِ حقیقی پر بھروسا تھا۔ وہ ہر ایک موقع پر طعن کرتے بلکہ گالیاں دیتے تھے اور یہ اُن کے لیے دعائے خیر میں مصروف تھا۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا، جس راستے سے یہ نکلتا تھا وہاں اسی کے بھائی بند ببول کے کانٹے بچھاتے تھے تاکہ اُس کے تلوؤں میں چبھیں، بپاداش اس جرم کی کہ یہ خالقِ مطلق کی پرستش کیوں کرتا ہے رہ گزر پر اس کے لیے غلیظ اور گوبر بچھاتے تھے تاکہ اس کے پیر نجاست آلودہ ہوں، سزا اس گناہ کی کہ یہ سچ کیوں بولتا ہے گلیوں میں اس پر مٹی کے ٹوکرے پھینکے جاتے تھے تاکہ اُس کا جسم ایذا پائے اور لباس گندہ ہو، عوض اس خطا کے کہ یہ نیک طینت اور صلح پسند کیوں ہے۔ جب یوں بھی تسلی نہ ہوئی تو باہم مشورت کی کہ اب اس کا زندہ رکھنا ہی مناسب نہیں، ہر ایک خاندان سے ایک ایک دلیر اس مفید ملکی خدمت میں حصہ لینے کے لیے منتخب کیا گیا اور اس بے گناہ کے قتل کے لیے موقع اور محل سب تجویز ہو گیا قضائے کردگار سے اُس مصلحِ قوم کو اس ہنگامے کی خبر مل گئی اور تمام شہر میں کوئی جگہ امن و عافیت کی نہ پا کر وہ رات کی تاریکی میں اپنے عزیز وطن سے رخصت ہوا اور بھائی بندوں سے منھ موڑ کر غربت اور مسافرت کی سختیاں اُٹھاتا ہوا مدینے پہنچا اور اغیار کی نصرت و حمایت کے وعدے پر پردیس میں اقامت اختیار کی۔ دشمنوں

نے وہاں بھی چین لینے نہ دیا۔ جن انصار کے بھروسے پر ترکِ وطن کی زحمت برداشت کی تھی اب وہ اُنھیں کو اُکساتے اور اُس کے دار الہجرت میں بھی فتنہ و فساد برپا کرانے کی فکر میں رہتے تھے مکّے کے شعرا اس بے خطا مظلوم کی ہجویں لکھتے اُن کو ہر طرف مشتہر کرتے تھے اور اب سارا زورِ طبیعت اسی کی بدگوئی اور عیب جینی میں صرف کیا جاتا تھا۔

عرب کی زباں دانی اور فصاحتِ لسانی اسوقت معراجِ کمال پر پہنچی ہوئی تھی شعرا کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اُس کو قبولیتِ عام کی سند ملتی تھی۔ گلی کوچوں میں لوگوں کی زبان پر وہی گرم گرم اشعار ہوتے تھے اور عورتیں ان نمکین اور بامزہ نظموں کو بڑے شوق ذوق سے یاد کرتیں اور دف بجا بجا کر اُن کو گاتی تھیں۔ یوں تو کُل شعرائے عصر نے بیش و کم اس مجرمِ خطا بے گناہی کی ہجویں لکھیں لیکن اس صنفِ کلام میں حُویرث بن نقید حارث بن طلاطلہ عبد اللہ ابن زبعری[×] اور کعب بن زہیر خاص طور پر گوے سبقت لے گئے اور ایک نیک آدمی کی ہجو گوئی کی بدولت وہ شہرت اور مقبولیتِ عام حاصل کی جو نہ ہمارے مرزا رفیع[*] (سودا) کو نصیب ہوئی نہ میر ضاحک[**] نے خواب میں بھی دیکھی۔ امتدادِ زمانہ سے یہ ہجویں اب مکمّل تو دستیاب نہیں ہو سکتیں لیکن ان کے بعض اشعار اب

× شروع ۹ھ ہجری مطابق ۶۶۳ء میں مشرّف باسلام ہو کر مدّاحانِ رسول میں شامل ہوے۔ دوسرے شعرا ہجو گو مثل عبد اللہ ابنِ زبعری بعد غلبۂ اسلام بخوفِ جاں کسی طرف بھاگ گئے مگر پھر وہ بھی مسلمان ہو گئے ۱۲ (ابن خلدون)

* دہلی کے مشہور شاعر ۱۱۹۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ ۱۲

** میر غلام حسین نام ضاحک تخلص میر حسن دہلوی مصنف مثنوی سحر البیان کے والد اور سودا کے ہمعصر و مقابل تھے۔ سودا سے پہلے انتقال کر گئے ۱۲۔

تک کتابوں میں محفوظ ہیں اور کعب بنِ زہیر کا ایک شعر تو واقعہ خاص کی وجہ سے سیر کی بیشتر کتابوں میں مندرج ہے اس شعر کی شانِ نزول یہ تھی کہ کعب کا بھائی بجیر ابوبکرؓ کے کہنے سننے سے اپنی بدکاریوں سے تائب ہو گیا اور محمدؐ کا ہم خیال بن گیا تو کعب اپنے بھائی کو سمجھاتا ہے۔

سقاک ابوبکرٍ بکاسٍ رویّۃٍ ؛ فانھلک المامور منھا و علکا

یعنی ابوبکر نے تجکو بُرا پیالہ پلایا۔ پھر مامور نے تجکو اُسی پیالے سے سیراب کر دیا اور مکرّر پلایا۔

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو، ہجرت کا آٹھواں سال ہے اور رمضان المبارک کی بیسویں ہے، مکّے سے چار کوس کے فاصلے پر ایک لشکرِ جرار خیمہ زن ہے جس کی ہیبت و شوکت سے اطراف و جوانب میں تہلکہ پڑا ہوا ہے اور جمعیت اس لشکر کی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ مکّے نے اصحابِ فیل کے بعد یہ دن کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ سردارانِ قریش جو ایک مظلوم کے ستانے میں بڑے دلیر تھے اس فوج کے دبدبے سے بدحواس ہوئے جاتے ہیں۔ وہ دیکھو ایک ٹیلے پر ابوسفیان پریشان کھڑا ہے جو کسی وقت میں دشمنانِ محمدؐ کا سردار تھا اُسی کے پاس عبّاس بن عبدالمطلب بھی موجود ہیں لشکر آراستہ ہو کر کوچ شروع کرتا ہے اور اسی ٹیلے کے نیچے سے گزرتا ہے۔ قبیلے قبیلے کے جوان اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں نکلتے ہیں اور ابوسُفیان یہ جمعیت دیکھکر دنگ ہوتا ہے۔

× مامور :۔ محاورۂ عرب میں اُس شخص کو کہتے ہیں جس کو جنّات سے ربط ضبط ہو اور جن سے پوچھکر ہر ایک کام کیا جاتا ہو۔ یہ اشارہ نبی کریمؐ کی طرف ہے جو اخبارِ غیب بتانے کی وجہ سے کاہن و ساحر نعوذ باللہ کہے جاتے تھے۔

کبھی بنو سلیم کے بہادر لباسِ آہن میں غرق نظر آتے ہیں کبھی فزینہ اور غفار کے دلاور سامانِ
جنگ سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی اسلم کے منتخب شجاع نشۂ مردانگی سے جھومتے ہوئے
گزرتے ہیں اور کبھی اسد و تمیم کے مردانِ سرفروش گردنیں اطاعت کے لیے جھکائے ہوئے نکلتے
ہیں اور ان سب کے بعد ایک جلیل القدر دستہ آتا ہی جس کے قلب میں کل فوج کا سردار یا سپہ سالار
آلاتِ حرب سے مسلح ایک بیش قیمت زرہ زیبِ جسم کیے اور سفید خود سر پہ رکھے ہوئے نہایت دبدبہ
و رعب سے زینت بخش ہی یہ شان و شکوہ دیکھکر ابوسفیان ششدر ہو جاتا ہی اور حضرت عباس بتاتے
ہیں کہ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (یہ ہیں رسول اللہ مہاجرین و انصار میں)
اللہ اللہ کس حسرت و بیکسی سے مکّے سے نکلے تھے کہ کوئی پاس بٹھانے کا بھی روادار نہ ہوتا تھا خویشی
و قرابت کیسی بھائی بند اپنا عزیز کہتے بھی شرماتے تھے۔ خانہ کعبہ جو ہر دشمن و دوست کے لیے
دارالامن ہی وہاں قدم رکھنے کی بھی ممانعت تھی اور شہر کے ہر ایک حصّے سے یہی صدا آتی
تھی کہ محمدؐ کا خون معاف ہی جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور آج کس عظمت و شوکت سے مکّے میں داخل
ہوتے ہیں کہ بارہ ہزار جوانمرد ہمراہِ رکاب ہیں جن میں سے ہر ایک متنفس ایک ادنی اشارے
پر اپنا خون بہانے کو تیار ہی۔ مکّے کے سرداروں کا سردار ایک منزل آگے سے جلوس میں
حاضر ہی اور تمام رؤسائے قریش آج سب سے بڑی نعمت اور رحمت اپنے حق میں یہی سمجھتے ہیں کہ
اس شمشیرِ غضب سے کوئی پناہ کی جگہ مل جائے فَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ

كَانَ زَهُوقًا ۝ (کہہ دو کہ حق آیا اور باطل نیست و نابود ہوا بیشک باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا)

دنیا کا بھی عجیب کارخانہ ہے مکّہ پر قبضہ پانا گویا کہ فتحِ طلسمات کی لوح تھی ایک ہی سال کے اندر جزیرہ نما عرب کا قریب قریب ہر ایک حصّہ مطیع الاسلام ہوگیا۔ جو کل تک بغض و عداوت میں سب سے آگے تھے آج جاں نثاری اور محبت میں مستغرق ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا منشا محمّد کی ایذا ہی سمجھ لیا تھا آج اُس کی نصرت و حمایت کے لیے اپنی بقیہ عمر وقف کرنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں غرض جو دشمن تھے وہ اب دست بستہ اور دوستوں میں بھی سر برآوردہ ہونے کے آرزومند ہیں شعرا اور فصحا جو پہلے اپنا زورِ طبیعت محمّد کی ہجوگوئی میں صرف کرتے تھے اب اُس کی ثنا و صفت سے تر زبان رہنے لگے اور اُس کی مدح میں ہر طرف سے نظمیں اور قصیدے تصنیف ہونا شروع ہو گئے۔

یہ تماشا دیکھو کہ کعب بن زہیر جو پہلے اپنے بھائی سے اس جرم پر ناراض تھے کہ اُس نے ابوبکر کا پیالہ پی لیا اب خود مئے الفت سے ایسے سرشار ہوئے کہ اُسی مامور کی شان میں ایک طول طویل قصیدہ لیے چلے آتے ہیں اور بڑے جوش خروش سے کہتے ہیں کہ ؎

اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

قاعدہ ہے کہ جو لفظ دل سے نکلتا ہے اُس میں ایسی سچی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح اوروں سے پیدا نہیں ہو سکتی حالانکہ حسّان بن ثابت عبداللہ بن رواحہ آج تک شعراءِ رسول الثقلین کے معزز خطاب سے سرفراز کیے جاتے ہیں اور فی الحقیقت اُنھوں نے مدحِ رسول میں خوب خوب

گرمیِ طبیعت دکھائی تھی لیکن قسّامِ ازل نے یہ شرف کعب بن زہیر کے لیے مخصوص کر رکھا تھا کہ حضرتؐ نے زبانِ مبارک سے اُن کے معنی خیز قصیدے کی مکرّر تعریف کی بلکہ ایک شعر پر کسی قدر اصلاح بھی دی اور اپنی ردارِ مبارک اس نظم کے صلے میں عنایت فرمائی یا یوں کہو کہ اپنے مقدس ہاتھوں سے نعت گوئی کے بنیادی پتھر پر ایسا مسالا لگا دیا کہ قیامت تک نہ چھُٹے گا۔

تعالیٰ اللہ اُستاد کا انتخاب
کہ خارِ خطا پر بھی صادِ صواب

یہ ہی تو جملۂ معترضہ اور کلمۂ گستاخانہ مگر قلم بار بار مچلتا ہی اور مجبوراً لکھنا پڑتا ہی کہ کعب نے اپنی نظم کے صلے میں ایک ردا پر ناحق اکتفا کی۔ دریاے کرم جوش میں تھا جو مانگتے سو پاتے۔ ہمارا مُلکی شاعر تو اپنی نظم کے صلے میں بہشت پر بھی راضی نہیں ہی۔ کہتا ہی ؎

ہی یہ اُمّید کہ جب گرم ہو بازارِ نشور
یوں کہے بادشہِ بارگہِ عالمِ نور

لو سراپا ہمیں تم دو عوضِ حور و قصور
میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور

مفت حاصر ہی مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں بکے یوسف کی یہ تصویر نہیں

غرض جب کعب بن زہیر کے قصیدے نے دربارِ رسالت سے مقبولیت کی سند پائی اور اُس کے اشعار بطورِ تبرک شہروں شہروں گشت کرنے لگے تو دوسروں کو بھی اس کی تقلید کا شوق ہوا اور مدّاحانِ رسول کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جن میں سے ہر ایک دوسرے سے کچھ بڑھکر بلند پروازی

دکھاتا تھا اور امیدوار رہتا تھا کہ شاید ہمارے اشعار بھی وہی مقبولیتِ عام حاصل کریں جو کعب کے قصیدہ بانت سعاد* کو حاصل ہوئی۔

عرب کے مشہور مسلمان شعرا میں سے ابن ابی ربیعہ، کثیر، ابی نواس، حبیب اور رضی وغیرہ نے نعتیہ اشعار لکھے اور حالاں کہ ان میں سے بعض کا پایۂ شاعری کعب بن زہیر سے بہت زیادہ بلند تھا مگر مشکل یہ تھی کہ نعت کے لیے جو مضامین تلاش کیے جاتے تھے وہ اکثر پہلے سے عوام میں متداول و مشہور ہوتے تھے اور جب ان کے معانی میں کوئی انوکھی بات یا طرزِ بیان میں کوئی جدت نہ ہوتی تھی تو ان کو مقبولیتِ عام کے دربار میں جگہ نہ ملتی تھی اور اسی وجہ سے ابی نواس یا حبیب کے جو نعتیہ اشعار دست یاب ہوتے ہیں وہ ان نظموں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے جو انھوں نے سلاطین و امرا کی شان میں لکھیں بلکہ کعب بن زہیر کے قصیدے کی سی مقبولیت تو سوائے قصیدہ بردہ** کے کسی نے پائی ہی نہیں جو ایک نہایت معمولی شاعر کی تصنیف ہے۔

نعت گوئی کا چسکا کچھ ایسا پڑ گیا تھا کہ اس مضمون میں چاہے کوئی شعر اچھا نکلے یا نہ نکلے مگر مدحِ رسول میں تھوڑا بہت کہتے سب تھے بلکہ عجمیوں کے زور پانے کے بعد جب عرب کی شاعری گھٹ گئی تب بھی نعت کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ فنِ تصنیف و تالیف میں مسلمان اس بدعتِ حسنہ کے موجد ہیں کہ ان کی کوئی تصنیف حمدِ خدا اور نعتِ رسول سے خالی نہ ہوتی تھی۔ کتاب

* سُعاد بضم سین مہملہ عرب کی مشہور حسینہ کا نام ہے اور پہلے لفظ بانت میں تائے فوقانیہ علامت تانیث اور نون مفتوح ہے ن ساکن

** ابو محمد شرف الدین علامہ بوصیری کا مشہور قصیدہ ہے جو اکثر صوفیوں کے وظائف میں داخل ہے۔ ۱۲

کا مبحث چاہے کچھ ہی ہو لیکن اُس کے آغاز میں اگر خدا کا نام نہو تو اُن کا ایمان تھا کہ اس تصنیف کا اتمام تک پہنچنا غیر ممکن ہی اور خدا کی تعریف کے بعد اگر نعت کا ٹکڑا سہو ہو گیا ہو تو اُن کا اعتقاد تھا کہ یہ احسان فراموشی کفر کی حد تک پہنچاتی ہی۔ انھیں خیالات کا نتیجہ ہی کہ ایشیا، یورپ، افریقہ، اور مجمع الجزائر وغیرہ میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں خواہ اُن کی زبان عربی ہو یا عجمی، فارسی ہو یا ترکی، پہلی صدی ہجری سے لے کر اسوقت تک اُن کی صدہا کروڑ تصنیفات میں سے ایسی پچاس کتابیں بھی انتخاب کرنا مشکل ہیں جو نعتِ نبی سے خالی ہوں بلکہ سچ تو یہ ہی کہ فصحای عرب نے اپنے غریب بھائی کی ہجو میں شعروں کا تو کیا ذکر جو الفاظ یا حروف استعمال کیے تھے اُن سے صدہا حصہ زیادہ ورق اس ممدوحِ خلائق کی ستائش سے زینت پا چکے ہیں، وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ (اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پھیلا کر رہے گا گو کافروں کو بُرا معلوم ہو)

مسلمانانِ عرب کی ابتدائی شاعری راست گوئی اور بلاغت کے اوصاف سے مالا مال تھی۔ خلفا اور اراکینِ دربار جن کی شان میں بیشتر قصیدے لکھے جاتے تھے خود اہلِ زبان اور سخن کے قدر شناس ہوتے تھے۔ عقد الفرید سے معلوم ہوتا ہی کہ ہارون الرشید اور اصمعی سے شعر و شاعری کے متعلق کیسی لطیف اور نازک بحثیں ہوتی تھیں اور ہارون کو ایام عرب پر کس قدر عبور تھا۔ جب خلیفۂ وقت کی قابلیت کا یہ حال تھا تو امرا اور وزرا سب اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شعر و سخن کا کھرا کھوٹا پرکھنے میں ایک رکنِ سلطنت بجائے خود فرد تھا اور حقیقت یہ ہی

کہ اسی زمانے میں عرب کی شاعری نے اپنی ترقی کے انتہائی مدارج طے کیے جب خلیفۂ
معتصم باللہ کے ساتھ عربوں کی ملکی قوت کا خاتمہ ہوا اور عجمیوں کا زور بڑھنے لگا، عربی
شاعری کا انحطاط شروع ہوگیا۔ اراکینِ سلطنت اب بھی بضرورت عربی سیکھتے تھے لیکن اُن کی مادری
زبان عجمی تھی اور فصاحت و بلاغت کی قدر شناسی سے وہ معذور تھے اس عصر کے شعرا کا کلام
دیکھو سوائے جھوٹی خوشامد اور بیہودہ تعلّی کے کچھ نہ پاؤگے۔ مُتنبّی کا دیوان آج مصر و شام میں بڑی
وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن ذوقِ سلیم سے آشنا ہو تو اس کا سارا کلیات فرزدق اور
ابونواس کے ایک ایک مصرع پر قربان ہے۔ جس وقت عرب کی شاعری زمانے کی ناقدریوں سے
مٹ رہی تھی اور شرفا اپنے عصر کے شاعروں کی گت دیکھکر شعرگوئی باعثِ ننگ سمجھنے لگے تھے
فارس کی زبان اپنی شستگی اور روانی کے کیمیائی اثر سے قلوب کو مسخر کر رہی تھی۔ عجم عرب کی حکومت
سے آزاد ہوگیا لیکن اُس کی شاعری قافیہ و عروض کی قیدیں اختیار کرلینے کی بدولت آج تک
عرب کی غلامی کا داغ اپنی پیشانی پر لیے ہے اور شاید اسی وجہ سے دولت شاہ کو اپنے مشہور تذکرے
میں فارسی کی ابتدائی شاعری کا سلسلہ عرب کی آخری نظموں سے ملانا پڑا۔ زمین خدا کی ہے لیکن
اُس میں کہیں گیہوں پیدا ہوتا ہے اور کہیں خس۔ ایران کے سبزہ زار کو شاعری سے خاص مناسبت
تھی۔ طائف کی شبِ ماہ، نجران کا ریگستان اور رات کے سناٹے میں کھوئے ہوئے اونٹ کی
آواز چاہے بجائے خود مؤثر ہو لیکن اس میں وہ دلکشی کہاں جو بلبلوں کے چہچہے، نہروں کی روانی

اور گلگشتِ مصلا میں مضمر ہے۔ بھیڑ کی کھالوں کے خیمے خواہ کیسے ہی آرام دہ ہوں اور بلبان کا تیل صحت کے لیے کیسا ہی مفید ہو لیکن وہ بلند خیالی کہاں جو خوابِ مخمل اور شمعِ کافوری سے مترشح ہے۔ چٹیل میدان میں اونٹ کی مینگنی محبت کرنے والوں کو چاہے کیسی ہی بھلی معلوم ہوتی ہو لیکن رخسارۂ دلدار کے خال سے اُس کو کیا نسبت۔ شتربانوں کی حُدی چاہے کیسا ہی سوز و گداز رکھتی ہو لیکن ترکانِ شیرازی کی نغمہ سرائی سے اُس کو کیا علاقہ۔ قبیلے قبیلے کی موروثی لڑائیاں رزمیہ شاعری کے لیے چاہے کتنا ہی مناسب موضوع ہوں لیکن حضرتِ عشق کی جنگِ زرگری اور غمِ الفت کے چھپانے میں عضو عضو کی دشمنی کچھ اور ہی اثر رکھتی ہے۔ نشۂ شجاعت و دلاوری سے جھوما جھوم شاعرانہ خیال ہے لیکن معشوق کی بدمستی میں کچھ اور ہی عالم نکلتا ہے۔

دستے دہم بیار کہ بدمست می رود ؛ دستے بدل نہم کہ دل از دست می رود

غرض عرب میں وہ مناظرِ قدرت اور اسبابِ عشرت ہی مفقود تھے جن سے کوئی بلند رتبہ اور صادق البیان شاعر پیدا ہو سکتا اور یہی وجہ تھی کہ غیر ملک والوں کی نظر میں جو نزاکتِ زبان کا لطف اُٹھانے سے معذور تھے عرب کے کسی شاعر کو وہ حیاتِ جاوید حاصل نہ ہو سکی جو آج حافظ شیرازی عمر خیام کو نصیب ہے اور یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ایران میں شعرا ایسے بلند پایہ پر پہنچا کہ عرب تو در کنار ترقی یافتہ دنیا کی کوئی قوم اس خاص فن میں اُس کے مقابل نہیں ہو سکتی۔ جن شعرا کی مبارک کوششوں سے نظمِ فارسی معراجِ کمال پر پہنچی وہ سب کے سب مسلمان تھے اور

عرب کی سنتِ قدیم کے موافق اُن میں سے قریب قریب ہر ایک نے رسولِ عربی کی مدح میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جس طرح ان کا پایۂ سخن عرب کے شاعروں سے بلند تر تھا ویسی ہی ان کی نعت بھی عرب سے افضل ثابت ہوئی۔ ان میں سے نظامیؔ عطارؔ رومیؔ سعدیؔ خسروؔ اور جامیؔ نے اس شعوا صنفِ سخن میں خاص طور پر درجۂ فضیلت حاصل کیا اور مدحِ رسول کے رُکھے پھیکے مضامین کو تصوف کی چاشنی اور مناجات کی حلاوت سے آمیز کر کے ایسا خوشگوار بنایا کہ قصیدۂ بانت سعاد اور قصیدۂ بردہ کی طرح نظامی اور جامی کے اشعار بھی آج اہلِ دل کا وظیفہ ہیں۔ نظم اُردو کی پرورش اُن بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں ہوئی جو شیراز کی فصاحت اور جام کی حلاوت پر مٹے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے ہندوستان کی شاعری میں فارسی کی تقلید ضروری سمجھی گئی۔ بحروں کی قید اور قافیے کی جکڑ بند تک تو مضائقہ نہ تھا کمال یہ ہوا کہ مضامین اور خیالات میں بھی ایران کے اتباع کی کوشش کی گئی۔ لیلیٰ مجنون، وامق عذرا، کی کہانیاں جو عرب سے میراث میں آئی تھیں یا خسرو اور شیریں کے افسانے جو اصفہان میں مقامی خصوصیت رکھتے تھے یہاں بھی تلمیحاً اُنھیں کا استعمال ہونے لگا۔ بلبلوں کی نغمہ سرائی اور موسمِ بہار کی سرمستی جو حافظ و خیام کے وطن سے مخصوص تھی بے تکلف برسات اور کالے بھونروں کے دیس میں پہنچا دی گئی۔ تاج کیانی اور درفش کاویانی کی آب و تاب کے سامنے بکرماجیت کے سنگھاسن اور شاہجہاں کے تختِ طاؤسی کی کسی نے بات بھی نہ پوچھی رستم اور سام کی شجاعت کا ایسا گہرا نقش جما

ہوا تھا کہ ارجن و جودھشتر جگنو کی طرح مدھم پڑ گئے۔ عزیز مصر اور زلیخا کی محبت دلوں میں ایسی راسخ تھی کہ سری کشن اور رادھا کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔ شعر تو جمنا کے کنارے بیٹھکر کہتے تھے مگر جیحوں و سیحوں ہنوز یاد تھے رہتے تو تھے ہمالیہ کی ترائی میں مگر ٹکٹکی ابھی تک کوہ قاف کی طرف لگی ہوئی تھی جب شاعری اپنے جذبات کے اظہار میں صادق البیان نہو تو اُس کے کلام میں اثر پیدا ہونا محال ہے۔ اسی نقالی اور جھوٹی خوش بیانی کا نتیجہ ہے کہ اردو شاعری آج دوسو برس کے بعد بھی فارسی کے دامن تک پہنچ سکی میر، مرزا غالب، و ذوق نے بڑے بڑے زور لگائے نظامی، انوری، یا سعدی کی گرد تک بھی اُن کی رسائی نہ ہوئی۔ میرے اس قول کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اُردو شاعری لغو ہے یا اُس کا مرتبہ انگریزی یا عربی کی نظموں سے بھی کمتر ہے، کیونکہ میرا تو دعویٰ ہے کہ فارسی شاعری تمام دنیا کی نظموں سے گوے سبقت لیے گئی اور نظم اُردو فارسی کی نقل ہے تو کہاں تک اصل کی جھلک اُس میں نہو گی لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر ہمارے نکتہ سنج چھوڑی ہوئی ہڈیوں پر قناعت نہ کرتے اور اپنی ملکی خصوصیتوں کو پیش نظر رکھکر شعر کہتے تو وہ سخنوری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکتے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ اُردو کا شعر ہے تو گوہر شاہوار مگر ملمع کا۔ اور ہندوستان کی نظم ہے۔ تو بڑی چمکدار مگر کا ستارہ لیکن مصنوعی اور جھوٹا۔

دیکھو سچ اور جھوٹ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اظہار جذبات کے لیے میر تقی نے نہایت سلیس اور

عام فہم زبان اختیار کی اور اپنے ارد گرد جو بول چال سنتے یا افعال و حرکات دیکھتے انھیں کے نظم کرنے کی طرف توجہ مبذول رکھی نہ آسمان سے ستارے توڑ کر لائے نہ پتال سے پانی نکالا لیکن وہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی کہ آج تک بزمِ خیال کے مسند نشین اُن کی شوکتِ شاہنشاہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں میر درد بے چارے کس شمار میں تھے۔ اُن کے ہاں نہ ذوق کی لفاظی نہ مومن کی ترکیب، انشا کی شوخی تھی نہ ناسخ کی زبان، مگر دیوان اُٹھا کر دیکھو سوز و گداز کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے اور چھوٹے چھوٹے فقروں قریب قریب کی تشبیہوں سے وہ طلسمات کا نیرنگ دکھایا ہے کہ لاکھ ضبط کرو مگر دل سے آہ نکل ہی جاتی ہے سودا کہتے تو ہزل تھے مگر تھے بزرگوں کے ہمعصر، اُردو شاعری کا بھی بچپن تھا اور بہت سی باتیں ابھی کہنے کو باقی تھیں اس لیے دس بیس شعر ان کے حصّے میں بھی آ گئے۔ البتہ غالب رندانہ طبیعت اور شاعرانہ مزاج رکھتے تھے، وہ چند جذبات کے اظہار میں صادق البیان ثابت ہوئے اور باوجود مُغلق طرزِ بیان اختیار کرنے کے صبح ہوتے محفلِ جشن میں خوب نام روشن کر گئے۔ بھیرویں کے وقت شام کلیان کی راگنی تھی تو بے وقت مگر ایسی لَے سے گائے کہ اُستادوں کے حوصلے پست پڑ گئے اور راگوں کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ بس میرؔ، دردؔ اور غالبؔ تو پورے شاعر تھے اور سودا آدھے۔ یہی ساڑھے تین شاعر اُردو زبان کو نصیب ہوئے۔ باقی اللہ اللہ خیر سلّا۔ یوں گنتی گنانے کو تو اردو زبان کے شاعروں کا شمار شاید ریت کے ذرّوں سے بھی افزوں

ہے اور اُن کا سلسلہ نامتناہی آج تک ختم نہیں ہوا لیکن کلام میں صداقت وراستی کا پتا نہیں زبان سے عشق و محبت کی کہانیاں بیان کرتے ہیں مگر الفت کی حقیقی چاشنی سے واقف نہیں۔ جن جذبات کے اظہار پر کمرِ ہمّت باندھی ہے وہ اُن کے دل میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوے۔ ہم تو میرؔ و سوداؔ پر معترض تھے کہ وہ ایران کی تشبیہیں اور تلمیحیں ہندوستان میں صرف کرتے ہیں اور یہاں اُس پر طرّہ ہے کہ تشبیہہ تو درکنار جس حالت یا واقعے کا بیان کرتے ہیں اُس کے بھی وجود سے آشنا نہیں۔ اگلوں کا تو صرف یہی قصور تھا کہ پرائے گھر کی مثال اپنے معاملے میں جوڑتے تھے اور یہاں سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے کہیں سچائی کا لگاؤ نہیں اسی غلط بیانی کا نتیجہ ہے کہ شعراے ہند کے جمّ غفیر سے مظہر جانجاناں اور حیدر علی آتش اگرچہ اپنے ساتھ والوں سے کئی قدم آگے تھے مگر عرفی و حزیں تو کجا، میر مرزا کے بھی مماثل نہیں ہو سکے وہ تو کہیے نظم اُردو کا بیشتر حصہ حسن و عشق کے لیے وقف تھا اور حضرتِ عشق کی سرکار سے کبھی کبھی دشنام کے عوض بھی خلعت ملتا ہے اس دربارِ گہربار کے فیض سے مصحفیؔ و جراتؔ، مومنؔ و نسیمؔ، رندؔ و صباؔ، داغؔ و امیرؔ سپہرِ سخن کے چاند تارے کہلائے۔ اُن کی تشبیہیں چاہے سچی ہوں یا دور از کار وہ اظہارِ جذبات میں خواہ صادق ہوں یا جھوٹے مگر اُن کے عاشقانہ کلام میں ایک عجیب و غریب دلکشی پیدا ہوگئی جس نے جھوٹ میں مزا اور بناوٹ میں لطف پیدا کر دیا۔

ولیکن یہ خوباں کا دیکھا سبھاؤ   کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

عاشقانہ شاعری کا تو یوں خاتمہ ہوا رزمیہ نظموں کا وجود سرے ہی سے مفقود تھا کیونکہ اُردو میں نہ شاہنامۂ فردوسی کا جواب لکھا گیا نہ حملۂ حیدری یا سکندر نامۂ نظامی کے مقابلے کی کوئی نظم تیار ہوئی۔ خدا مرثیہ گویوں کا بھلا کرے کہ وہ واقعاتِ کاروانِ کربلا کے ضمن میں رزمیہ شاعری کی جھلک دکھا گئے ورنہ نظم اُردو اس صنفِ سخن سے بالکل بے بہرہ تھی۔ مرثیے کا میدان نہایت محدود تھا اور اُس میں رزم کے کُل انداز دکھانا دشوار تھے پھر بھی میر انیس اور مرزا دبیر نے بہت کچھ اشک شوئی کی اور جنگ و جدل کے وہ وہ تماشے دکھائے کہ جب تک اُردو زبان کی وسعت میں نمایاں ترقی نہ ہو جائے اس مبحث پر قلم اُٹھانا غیر ممکن ہی۔ انھوں نے پس ماندگاں کے لیے نہ کوئی انوکھا خیال باقی چھوڑا نہ کوئی مناسب لفظ اُن کے صرف سے بچا۔ جو کچھ رطب و یابس ممکن تھا وہ سب لکھ گئے اور حق یہ ہی کہ اس صنف کا دروازہ کئی صدیوں کے لیے بند کر گئے۔

جب فارسی زبان کے شاعروں کی ہر ایک خیال میں تقلید کی جاتی تھی تو یہ کیوں کر ممکن تھا کہ حمد و نعت کی طرف ہندوستان میں توجہ نہ ہوتی۔ یہاں کے قریب قریب کُل شعرا نے تبرُّکاً و تیمُّناً نعتِ رسول میں ضرور قلم فرسائی کی اور لطف شہیدی۔ امیر مینائی اور محسن کاکوری نے اس مقدس خدمت میں خاص طور پر حصہ لیا لطف کا دیوان دل سے نکلا تھا اس لیے وہ اثر سے خالی نہیں۔ اگر عامیہ زبان اور شاعرانہ کمزوریوں سے بھی پاک ہوتا تو اولیت کا تاج

اُسی کے سر پر رکھا جاتا شہیدی کا مشہور قصیدہ نظمِ اُردو کا بہترین نمونہ ہے لیکن اُن کے بقیہ کلام کو اس قصیدہ سے کچھ مناسبت نہیں۔ البتہ امیر مینائی ملکِ سخن کے بادشاہ تھے اور شاید ہندوستان کے مسلّم الثبوت اُستادوں میں سے یہ شرف سب سے پہلے اُنھیں کو حاصل ہوا کہ عاشقانہ دواوین، مدحیہ قصائد اور واسوختوں کے علاوہ ایک ضخیم دیوان اور چند نظمیں نعت میں بھی لکھ گئے۔ مگر دوستو! یاد رکھو کہ نعت کے بلند سے بلند مضامین کے لیے بھی قدردان دستیاب نہیں ہوتے۔ نہ کسی دربار سے صلہ ملتا ہے، نہ کسی سرکار سے خلعت عطا ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر ستم تو یہ ہے کہ اہلِ مجلس واہ وا اور سبحان اللہ کی سستی اور بے قیمت حوصلہ افزائی سے بھی ایسے کلام سے دریغ رکھتے ہیں جس میں شے و معشوق کا تذکرہ ہو نہ واعظ و محتسب پر پھبتیاں نہ رندی و سیہ مستی کی تعریف ہو نہ وصل و خلوت کی چھیڑ چھاڑ اگر بیانِ واقعہ ہے تو نہایت مشہور اور متداول اور اظہارِ جذبات ہے تو نہایت پھیکا اور بے مزہ۔ اگر معشوق کی شوخی اور عیاری کا مذکور نہیں تو غزل کس کام کی اور پابندیِ شرع کی دھن میں ہر ایک نامناسب لفظ سے احتراز ہے تو قصیدہ کس مصرف کا۔ جب شعر میں کوئی چبھتا ہوا فقرہ نہیں تو تعریف کون کرے اور نظم میں کوئی انوکھا مضمون نہیں تو داد کون دے۔ اسی بے قدری کا نتیجہ ہے کہ امیر نے خلوصِ عقیدت سے نعتِ رسول میں نالاں کہ بہت کچھ لکھا مگر صنمخانۂ عشق اور محامدِ خاتم النبیین دونوں کو مقابل رکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک سراسر گرم ہے اور دوسرا بالکل سرد۔ ایک مجسم سوز ہے اور دوسرا قطعاً بے اثر۔ بلکہ دو ہی چار ورق دیکھکر یہ ادراک ہو جاتا ہے کہ یا تو اس خشک مضمون میں کوئی اچھا شعر

لکھنے کی گنجائش ہی نہ تھی یا شاعر نے نعتِ نبی میں وہ زورِ طبیعت صرف نہیں کیا جو عشق و عاشقی کے بیان میں دکھایا ہے۔ پہلا خیال غلط ہے اور دوسرا صحیح۔ نعت میں دل کشی پیدا کرنا ممکن ہے لیکن اُس شخص کے لیے جو نہ ستائش کی تمنا رکھتا ہو نہ صلے کی پروا۔ اہلِ دنیا کی ناقدریوں پر لحاظ نہ کرے اور اپنے دل میں یہ عقیدہ راسخ کرے کہ ؎

سوا تیرے کسی کی مدح کرنا جن کا شیوہ ہے ؎ یہ سچ ہے وہ لیے پھرتے ہیں جھوٹا قفل ابجد کا

دیکھو محسنِ کاکوروی نے اپنا سارا فضل و کمال مدحِ رسول میں صرف کر دیا اور اپنی کُل زندگی نعتِ نبی کے لیے وقف کر دی تو اس صنفِ سخن میں اپنے ساتھ والوں سے گوئے سبقت لے گئے سخن شناسوں نے اُن کی سعی و ہمت پر تحسین و آفریں کے پھول برسائے نکتہ سنجوں نے مقبولیتِ عام کے گلدستے نذر کیے بلکہ ناقدروں کو بھی مجبوراً بلندیِ مضامین، شوکتِ الفاظ، خوبیِ بندش اور زورِ طبیعت کی داد دینا پڑی۔ مقبولیتِ عام خدا کی دین ہے، اس میں کسی کا دخل نہیں مرزا غالب کے اشعار پر سب ہی واہ واہ کرتے ہیں چاہے سمجھتے خاک نہ ہوں لیکن معانی و مطالب کو ذہن نشیں کر کے محسن کے کلام سے لطف اُٹھانا منظور ہے تو چند امور پیشِ نظر رکھنے کے قابل ہیں۔ اول تو یہ کہ محسن کی آغازِ شاعری کا وہ عہد ہے جب کہ ہندوستان میں فارسی انشا پردازی کا مذاق باقی تھا۔ علما اور بزرگانِ دین اُس وقت تک بھی اصل زبان فارسی ہی سمجھتے تھے اور اگرچہ بول چال میں اُردو کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن خط و کتابت بیشتر فارسی میں ہوتی تھی شبنمستانِ

مینا بازار، پنج رقعہ اور سہ نثر ظہوری وغیرہ نثرِ فارسی کے بہترین نمونے خیال کیے جاتے تھے اور بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی کہ گل و بلبل حسن و عشق کے مضامین سے اپنے مکتوبات اور تحریروں میں رنگینیں پیدا کریں اور اس سعیِ لاطائل میں اس قدر غلو ہو گیا تھا کہ ایک مختصر سی مختصر بات کے لیے استعارے کے اُلجھاؤ اور اضافتوں کے پیچ سے دس بیس ورق سیاہ کرنا لائقِ تحسین و ستائش سمجھا جاتا تھا اضافت جس کے ایجاد سے مقصود غالباً کلام کا اختصار تھا اب طولِ کلام کا آلہ بنائی گئی۔ استعارہ در استعارہ، مجاز در مجاز کرتے چلے جاتے ہیں، اصلیت سے کچھ واسطہ نہیں بے اصل کو اصل بنایا اور اُس کے لوازمات پر خیال دوڑانا شروع کیے، جب یہ زحمت اُٹھائی تو معنی آفریں کا خطاب ملا مگر واقعے کا بیان کچھ بھی نہ ہوا، صرف خیال ہی خیال رہ گیا معشوق کے نازک رخسارے کو پہلے گلاب سے تشبیہ دی، جب سارے پھول کے بوجھ سے کمر لچکنے لگی تو اُس پھول کے لیے ایک رخسارہ تجویز کیا اور اُس رخسارۂ گل کے رنگ کو عارضِ جاناں سے مشابہ بنایا، پھر بے تکلف رنگ کے تلازمے میں محو ہو گئے۔ معشوق کا سراپا تو چولھے بھاڑ میں گیا پہلے رنگ سازی اور رنگ بازی سے فرصت ہو لے تو سراپا کا بیان ہو، غرض اُس زمانے کی درسی کتابیں ایسی ہی نازک خیالیوں سے لبریز تھیں۔ اور محسن کاکوروی پر اس طرزِ تحریر کا اتنا اثر تھا کہ ان کے ابتدائی خطوط جو اس وقت تک دستیاب ہو سکے ہیں رقعاتِ مرزا بیدل کا ایک جزو معلوم ہوتے ہیں۔ وہی استعارہ در استعارہ ہے اور وہی صفت در

صفت، کئی کئی صفحے سیاہ کر گئے اور کہا کیا ہے کچھ نہیں۔ آج اس لفاظی کو ہم تصنع کہتے ہیں۔ لیکن اُس وقت یہی سرمایۂ افتخار تھی اور یہ دماغ سوزی اگرچہ ہم کو بے مصرف معلوم ہوتی ہے لیکن اُس زمانے میں مشقِ سخن کے لیے نہایت مناسب خیال کی جاتی تھی۔ محمد حسین۔ آزاد نے سخندانِ پارس میں اس قسم کی تحریروں کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ نہ سمجھنا کہ کتب مذکورہ بالکل نکمّی ہیں ان کے نازک خیال۔ خوبصورت استعارے۔ نئی نئی تشبیہیں۔ خوشنما ترکیبیں لفظوں کی عمدہ تراشیں۔ خیالوں کی نزاکتیں طبیعتوں کی بلند پروازیاں صنعتوں کے ہجوم جواب نہیں رکھتے ظہوری نے جس فقرے سے فقرہ جوڑا ہے وہی اُس کا جوڑ ہے، مجال نہیں کہ ایک کو اُٹھا کر کوئی دوسرا فقرہ اُس کی جگہ رکھ سکے۔ بات یہ ہے کہ ان کتابوں کو بڑی غور اور احتیاط سے پڑھنا چاہیے۔ انھوں نے خوبیِ الفاظ اور نزاکتِ خیال اور زورِ طبع کو بے مطلب بے مدعا خرچ کیا ہے، تم انھیں لو اور بیانِ مطلب کے کام میں لاؤ۔"

غرض محسن کی خصوصیاتِ کلام میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ اُن کی یہی صناعی اور معنی آفرینی ہے اور انھیں صنائع بدائع کے مناسب استعمال سے محسن کا کلام اپنے ہم عصروں کی نعتیہ نظموں سے زیادہ دل کش ثابت ہوا۔ قصیدے کی شان و شوکت میں ان صنائع نے زور بڑھایا۔ اضافتوں اور استعاروں نے مثنوی کی بندش چست کی اور اس طرح محسن کی نعت کو خاص درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

مثلاً معراج کی شب ہی، آدھی رات گزر چکی ہی۔ ڈرامے کا پہلا سین مکّے کی سرزمین پر دکھایا جائے گا۔ لفظِ لیل (شب) کی رعایت سے رات کو لیلی سے تشبیہ دیں گے اور ارکانِ حج کا تلازم ملحوظ رکھیں گے۔ (از نظم موسومہ چراغِ کعبہ)

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبے میں وضو سے

اوڑھے ہوے لیلیِ گُل اندام
شبنم کی ردا بقصدِ احرام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال،
جُھک جُھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہی
سر سے پا تک عرق عرق ہی

نامحرموں سے چھپاے چہرا
پرویں کو بنائے منھ کا سہرا

آنا کُھلتا ہوا نہ جانا
اندازِ خرام صوفیانا

ناخن کی جگہ ہلال کی مد،
دفترِ سے طلوع کے ندارد

گرتے ہوے ٹوٹ کر ستارے
ہیں رَمیِ جمار کے اشارے

صورت ہیں غلافِ محترم کے،
در پردہ طواف میں حَرم کے

الفاظ ردا۔ احرام۔ سعی صفا۔ نامحرم۔ رمی جمار۔ طواف۔ رعایت ارکانِ حج سے ہیں اور چوں کہ ناخن کٹوانا بھی حج میں مستحب ہی اس لیے ہلال کو دفترِ طلوع سے ندارد کیا اور واقعی اُس رات کو چاند تھا بھی نہیں کہ قمری مہینے کی ستائیسویں شب تھی۔

یا ولادتِ رسول کی صبح ہے۔ سحر کی سپیدی رات کے ختم ہونے کا پیام دیتی ہے لہٰذا اُس کو پیغمبر آخر الزماں کا خطاب دیں گے اور ضروریاتِ دین کا ذکر کریں گے۔ (ماخوذ از مثنوی صبحِ تجلّی)

ہنگامِ سپیدۂ سحر گاہ
ساعات میں وِردِ شب کے واللہ

اک مخبرِ صادق البیان ہے
پیغمبرِ آخر الزمان ہے

کیفیّتِ وحی میں ہے بلبل
ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گُل

سبزہ ہے کنارِ آب جو پر
یا حضر ہے مستعدِ وضو پر

نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی

محوِ تکبیر فاختہ ہے
قَدْ قَامَت سروِ دلربا ہے

اک شاخ رکوع میں رُکی ہے
اور دوسری سجدے میں جُھکی ہے

سوسن کی زبان پر مناجات
جاری لبِ جوئے اَلتّحیّات

تسبیحِ شگوفہ یا مصوّر
تحریمہ تاک سر بہ اِغفر

غنچے میں ہے خامشی کا عالم
یا صومِ سکوت میں ہے مریم

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے
اور آبِ رواں طواف میں ہے

لایا یہ مجاہدِ صبا رنگ
نافرماں ہو رہا ہے جو رنگ

کہتا ہے اشارۂ لجالو*
مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا*

* موتوا قبل ان تموتوا۔ متصوفین کا مشہور مقولہ یعنی مرنے سے پہلے تم مرجاؤ۔ ۱۲ * لجالو کو اردو میں چھوئی موئی کہتے ہیں ۱۲

وحی۔ مصحف۔ وضو۔ اذان۔ تکبیر۔ قدقامت۔ رکوع۔ سجدہ۔ مناجات۔ التحیات۔ تسبیح تحریمہ۔ صوم۔ اعتکاف۔ طواف۔ مجاہد۔ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ التزام مالایلزم نرا تصنع ہو لیکن اس کا استعمال نہایت خوبی سے کیا گیا ہو اور اس دشوار پسندی نے بجائے مثنوی کو ناقص کرنے کے نظم کی لطافت پر جلا کر دی ہو نعت کی بے قدری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کی زبان بیشتر عامیانہ اور طرز بیان سیدھا سادا ہوتا تھا محسن نے برخلاف اس کے اپنی نعتیہ مثنوی کو مثنوی غنیمت کے قالب پر ڈھالا اور اس خشک ریگستان میں مجاز و ایہام کا وہ دریائے ذخار بہا دیا کہ زبان سے چاہے لاکھ تکلف اور تصنع کا الزام لگاؤ لیکن دل سے خواہ مخواہ زورِ طبیعت کی داد دینا پڑتی ہو اور مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہو کہ عاشقانہ یا تاریخی مثنویوں میں تو یہ مغلق طرز بیان نہایت معیوب نظر آتا ہی مگر نعت کے پُرشوکت وعظمت مضامین کے لیے کچھ یہی انداز بھلا معلوم ہوتا ہی۔

نبی کے صدقے میں محسن ملے قصور پہ حور   ہمارے عیب غضب ہیں ہنر نہو نہ سہی

خیالوں کی نزاکت اور صنعتوں کے ہجوم نے جب نعتیہ مثنوی میں لطف پیدا کر دیا تو قصیدے کی بہار کا کیا کہنا اس کی تو جان ہی شوکتِ الفاظ ہی۔

کلامِ محسن میں دوسری قابلِ لحاظ خصوصیت لفظی رعایتوں کی افراط ہی۔ امیر خسرو دہلوی نے جن صنایع وبدایع سے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں اُن میں سب سے زیادہ سہل صنعت یہی تھی اور

اسی وجہ سے ہندوستان کے شعرا کے ہاتوں اس کی مٹّی خوب پلید ہوئی، بلکہ لکھنؤ کے شعرائے
متاخرین میں سے رشک و امانت وغیرہ نے تو شاعری کا موضوع صرف رعایتِ لفظی کو سمجھ لیا
حضرتِ محسن نے چند روز تک شعر و سخن میں اصلاح مولوی ہادی علی اشک لکھنوی سے لی تھی جو
رشک اور برق اور وزیر وغیرہ کے ہمعصر تھے، بلکہ اشک و رشک میں باہم بہت اتحاد
تھا اور ایک کی نظر میں دوسرے کی وقعت اتنی بڑی ہوئی تھی کہ جب رشک کا دیوان مرتب
ہوا تو انھوں نے اس کا سب سے پہلا نسخہ حضرت اشک کی خدمت میں روانہ کیا اور اس پر
اپنے قلم سے ایک مصرع لکھ دیا جس سے بقاعدہ جُمل ختمِ دیوان کی تاریخ نکلتی تھی اور اشک نے
اس کے شکریے میں ایک قطعہ لکھا جس کا آخری مصرع ہی۔ رشک دیوان عنایتم بنمود - اور اس مصرع
سے بھی تاریخ نکلتی ہی۔ اس کو باکمال استاد کا فیض سمجھیے کہ نامور شاگرد پر بھی رعایتِ لفظی کا افسوں
چڑھ گیا اور بزمِ سخن میں درجۂ امتیاز تک پہنچنے کے بعد بھی لکھنؤ کی شاگردی کا یہ داغ نمایاں رہا۔
غنیمت ہی کہ انھوں نے اپنے استاد کے ہمعصروں کی طرح رعایتِ لفظی کی تلاش میں مضمون کو غتر
ربود نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے شعر گوئی کی غرض صرف یہی نہیں سمجھ لی کہ اس میں مناسب
الفاظ کا اجتماع ہو بلکہ اظہارِ بیان کے لیے مناسب الفاظ انتخاب کیے ان دونوں کیفیتوں
میں جو عظیم الشّان فرق ہی وہی محسن کی مقبولیت کا سبب بنا یعنی انھوں نے شعر کا مضمون
رعایتِ لفظی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ الفاظ کے مناسب استعمال سے شراب سخن کو دو آتشہ

بنایا۔ اس رعایت کے لحاظ نے بیشتر تو اشعار میں لطف پیدا کر دیا لیکن یاد رکھو کہ محسن کے کلام پر جا ہے یہ اعتراض صادق ہو کہ اُن کا کوئی صفحہ استعارے اور مجاز سے خالی نہیں مگر ایسے اشعار تلاش کرنا بہت دشوار ہیں جن میں رعایتِ لفظی کی خاطر سے مطلب خبط ہو گیا ہو یا الفاظ کی بندش ایسی بھونڈی طرح سے کی گئی ہو کہ اگر اُس رعایت تک جو شاعر کے دل میں ملحوظ ہے نظر نہ پہنچے تو شعر میں کچھ معنی ہی باقی نہ رہیں۔

یہ دو خصوصیتیں جو ہیں نے محسن کے کلام میں بتائیں اور اُن کو صنعتوں سے تعبیر کیا، کیا آج مقلدانِ فرنگ کی نظر میں عیوبِ شاعرانہ میں داخل ہیں؟ پھر کیا وجہ تھی کہ اُن کی شاعری نے درجۂ قبولیت حاصل کیا؟ اس کے لیے تیسری خصوصیت کی طرف توجہ منعطف کرنے کی ضرورت ہی۔ یہ خصوصیت اُن کے قصائد کی نرالی تشبیب اور مثنویوں کا انوکھا طرزِ بیان ہی محسن کے تمام کلام میں سے جس قدر شہرت اُن کے بادل والے قصیدے (مدیح خیر المرسلین) نے پائی اور جس قدر مقبولیت سے ہندوستان کے ہر حصے میں وہ پڑھا گیا وہ اُن کی کسی دوسری نظم کو میسر نہیں ہوئی۔ اُس کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ ہندوستان کے مناظرِ قدرت جو اُردو سمجھنے والوں کے پیشِ نظر تھے تشبیب میں استعمال کیے گئے متھرا اور بندرابن جہاں عشق کے ربّ النوع نے جنم لیا کاشی اور جہاں جن کو عاشق مزاج حُسن و جمال کی سیرگاہ بتاتے ہیں، سری کرشن اور گوپیوں کا عشرت خیز اور درد انجام قصہ۔ پھر اسی کے ساتھ ہندوستان

کی پیاری برسات کا سماں گگوں کا نو گلشنوں کی بہار۔ فاختہ۔ شاماں۔ لال۔ ہریل یہ سب سامان نظمِ اُردو میں یوں ہی کمیاب تھا اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ قصیدۂ نعت کی تشبیب میں استعمال کیا گیا جس سے ایمان داروں کے قلوب کو یہ اطمینان بھی میسر آگیا کہ کفر کو ظلمت سے اور ایمان کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیاں میں مضمر ؎ شوکت اُس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل

پھر کیا تھا شہرت کے پر لگ گئے۔ مقبولیتِ عام کے موتی نثار ہوئے اور بقائے دوام کی کلائیوں پر جگہ ملی تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل / برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل / جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی / پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں / تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

شبِ دیجور اندھیرے میں ہے بادل کے نہاں / لیلی محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

آتشِ گل کا دھواں بامِ فلک تک پہنچا / جم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کاجل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ / چرخ پہ بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

تختِ طاؤسیِ گلشن پہ ہے سایہ کیے ابر / چتر کھولے ہوئے فرقِ شہِ گل پہ سنبل

سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخیِ لب / چمنِ حسن سے لال اُڑ گئے بن کر ہریل

قصیدہ نعت میں لکھا ہی اور سامانِ مے پرستی کا ہجوم ہو رہا ہی تو دیکھنا کس خوبی سے گریز کرتے ہیں

مے گلرنگ ہی کیا شمعِ شبِ فکر کا پھول — جلتے جلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہی پھسل

دل میں کچھ اور ہی پر منھ سے نکلتا ہی کچھ اور — لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اُس سے نہ کوئی اَستل+

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہی کبھی جمنا پر — گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل

ہاں یہ سچ ہی کہ طبیعت نے اُڑایا جو غبار — ہوئی آئینۂ مضمون کی دوچند اس سے صیقل

روئے معنی ہی بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف — تاکتا ہے تو ثریّا* کی سنہری بوتل

(حاشیہ صفحہ ۴۰) کاشی بنارس کو کہتے ہیں۔ اشنان بمعنی غسل۔ گوکل ہندوؤں کی پرستش کا مقام ہی۔ راکھی ایک خاص قسم کا چمکیلا کنگن جو برہمن سلونوں کے موقع پر ہنود کی کلائیوں پر باندھتے ہیں۔ سلونوں ہندوؤں کا ایک تہوار جو ساون کے مہینے میں ہوتا ہی۔ + اَستل۔ تیرتھ کی جگہ * ثریّا۔ ستارۂ پروین وہ چھ ستارے جو باہم متصل ہیں۔

فائدہ۔ اس قصیدے کی تشبیب پر جو اعتراض ہو سکتا ہی اس کا جواب حضرت امیر مینائی مرحوم نے لکھا تھا وہ بجنسہ لکھا جاتا ہی۔ بادی النظر میں شبہ ہوتا ہی کہ قصیدۂ نعت میں متھرا گوکل و کنھیا کا ذکر بے محل ہی لہذا دفع دخل کیا جاتا ہی کہ لغت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکرِ ایامِ شباب کرنا اور اصطلاحِ شعرا میں مضامینِ عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیص مضامینِ عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانے کی کرتا ہی کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہی کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہی الغرض متتبعانِ کلامِ اساتذہ و حقیقت شناسانِ تشبیبِ قصیدہ پر پوشیدہ نہیں ہی کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہی کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اُسکی رعایت رہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا ہی جس کا مطلع ہی۔

صبحے کہ در ہوائے پرستاریِ وثن (بت) — جنبد کلیدِ بتکدہ در دستِ برہمن

غرض محسن کے قصائد میں یہ خصوصیت قابلِ لحاظ ہے کہ وہ ہمیشہ تشبیب و گریز میں ایک خاص جدت پیدا کرتے ہیں اور یہی نرالا انداز اُن کے قصائد کو دوسری نعتیہ نظموں سے ممتاز بنا دیتا ہے۔
کلامِ محسن کی چوتھی خصوصیت جس نے اُن کے اشعار کو علماء کے طبقے میں محبوب بنایا اُن کے بیانِ واقعہ میں صداقت اور امانت اور ہر ایک موقع پر مرتبہ شریعت کا لحاظ ہے۔ وہ معراج نامے اور شفاعت و نجات کی سی طویل مثنویوں میں بھی احادیثِ صحیحہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اُس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلعم کے حضور میں قصیدۂ بانت سعاد جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے۔ پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زبانِ مبارک سے اُس کی تحسین فرمائی اس قصیدے میں تشبیب کے بعد گریز پڑھنے سے کوئی محلِ اعتراض باقی نہیں رہتا ہے۔ حضرت امیر مینائی کی اس تحریر کے بعد بعض احباب کے بے حد اصرار پر خود حضرتِ محسن نے چند شعر بطور جواب لکھے تھے۔ جو نقل کیے جاتے ہیں۔

گو قصیدے سے جدا ہے بہارِ تشبیب
کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم اک لطف ہے خاص اسمیں جو سمجھے دانا
رجعتِ کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ
مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے نورِ خدا
ظلمتِ کفر کا جب دہر میں چھایا بادل

فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
جیسا لکھا ہے امیر الشعرا نے دمِ طبع
کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
نمرخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
(بہ پوری تصویر)
غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیاں میں مضمر
مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل
ہوا مبعوث فقط اُس کے مٹانے کے لیے

مختلف ہوتے ہیں مضموں کہیں عشق اور کہیں حسن
اس کی پیشانی یہ دیباچۂ ماقل و دل
پڑھکے تشبیب مسلماں مع تمہید گریز
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
ظلمت اور اُسکے مکارہ میں ہوا طولِ سخن
(مکروہات)
شوکت اُس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے
سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبی مرسل

مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو ✲ شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول

جو واقعہ جس طرح حدیث میں بیان ہوا ہی حتی الامکان اُنھوں نے بھی اُسی کا تتبع کیا ہی اور اگر کسی جگہ کوئی لفظ اپنی طرف سے بڑھایا ہی تو وہاں کوئی فقرہ ایسا بھی درج کر دیا ہی جس سے دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ یہ الفاظ شاعر کی طرف سے ہیں اصل روایت میں اس کا مذکور نہیں۔ مثلاً شب معراج میں جب سرور کائنات بہشت تک پہنچے اور وہاں رضواں داروغۂ جنت حاضر ہوا تو حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے کیا کہا اور یہاں اُس سے کچھ تمنا ظاہر کرانے کی ضرورت تھی تو کہتے ہیں۔

تھا تو کہ زبانِ حالِ رضواں　　دیباچۂ منتِ گلستاں

یعنی اس کے بعد جو اشعار ہیں وہ رضواں کی زبانِ حال سے ہیں۔ یا حدیث میں صراحت نہیں ہی کہ شبِ معراج میں جب حضرت جبرئیل براق لے کر حاضر ہوئے تو اُنھوں نے کیا عرض کیا لہذا شاعر کہتا ہی۔

کوسوں سے رسولِ روح پرور　　آیا ہی ہوائے شوق لے کر

آنا ہے طلب کا استعارہ　　بڑوں کا ہی آمدن اشارہ

حدیث میں یہ بیان نہیں ہی کہ شفاعت کے وقت سجدے میں گر کر رسول پاک کیا دعا مانگیں گے تو شاعر بھی اس قصے کو گول کرتا ہی۔

دعا ایسی کی بعدِ حمد و ثنا　　کہ الحمد آمین کہنے لگا

غرض اسی طرح وہ اپنی ہر ایک نظم میں یہ لحاظ رکھتے ہیں کہ نقلِ روایت میں خیانت نہو اور اگر ضرورت شاعرانہ سے کوئی نئی بات قصے میں بڑھائی جائے تو نظم میں اُس طرف اشارہ

کر دیا جائے یہ خصوصیت ایک حدتک اُن کے کُل کلام میں پائی جاتی ہے لیکن شفاعت و نجات
اور نظمِ دل افروز تو اس معاملے میں فرد ہیں، اُن میں کوئی فقرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی قرآن یا
حدیث سے سند موجود نہ ہو چنانچہ نظمِ دل افروز میں خود کہتے ہیں۔

ہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا ؛ کوئی حرفِ غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

شریعتِ ظاہر کا پاس و لحاظ فطرۃً اُن کی سرشت میں تھا اور اسی سبب سے باوجود بے حد و پایاں
ذوق شوق کے بندے اور خدا میں وہ ہمیشہ فرقِ مراتب قائم رکھتے ہیں۔ مثلاً

کیا ہو گئے حد سے بڑھنے والے ؛ سجدے میں درود پڑھنے والے
عرفاں کے مقام کی کریں سیر ؛ دیکھیں کہ صفت ہے عین یا غیر

محسن کے کلام کی نمایاں خصوصیتیں میں نے بیان کر دیں لیکن یہ سمجھنا کہ جس کسی کلام میں یہ خصوصیتیں
جمع ہوں وہ ایسی ہی دل کشی پیدا کر سکتا ہے جیسی کہ مدیح خیر المرسلین یا شفاعت و نجات یا نظمِ دل افروز
کو حاصل ہے، نہیں، ہرگز نہیں۔ محسن کو ایک اور نعمت بھی میسر تھی اور اسی کو اُن کی مقبولیت کا اصلی
راز سمجھو۔ اس نعمت سے مراد وہ سچی محبت ہے جو اُن کو رسولِ عربی کے ساتھ تھی اور اسی خلوص
عقیدت کا ثمرہ ہے کہ جب نعتِ احمد کے لیے قلم اُٹھاتے ہیں تو بوجہ اظہارِ جذبات میں صادق البیان
ہونے کے الفتِ حبیب میں ایسے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ اُن کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے وہ الہام
کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ جنھوں نے حضرتِ محسن کو دیکھا ہے یا اُن کی زندگی کے واقعات سنے ہیں

وہ سمجھ سکتے ہیں کہ خدمتِ رسول میں اُن کے عشق کا کیا عالم تھا اور اُن کے دل پر مدفونِ یثرب علیہ السلام کی محبت کی کس قدر سخت چوٹ تھی۔

ہو حُبِّ نبی کی میرے سینے میں رہے ۔۔۔ اُس کا ہی خیال مرنے جینے میں رہے

جب بند ہو آوازِ مرادم ٹوٹے ۔۔۔ آہنگِ حجاز ہو مدینے میں رہے

المختصر ان خصوصیات پر نظر کرنے کے بعد ہم کو کلامِ محسن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کیا گیا تو صاف نظر آئے گا کہ حضرتِ محسن نے نعتِ نبی سے نظمِ اُردو کو کتنا مالا مال کیا ہے، اور اگر میر انیس مرثیہ گوئی ختم کر گئے تھے تو یہ بھی دوسروں کے لیے نعت کا دروازہ بند کر گئے ہیں۔ میری اس طویل تحریر کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ حضرتِ محسن بھی ویسے ہی شاعر تھے جیسے کہ میر تقی میر یا مرزا غالب، جب میں سودا کو جو خیر القرون قرن میں داخل تھے میر کا ہم پلہ نہیں سمجھتا تو محسن کا کیا شمار۔ بلکہ شاعری کا مقصود اگر یہی ہے کہ غزل گوئی کے ذریعے سے عشق و عاشقی کے جذبات کا اظہار کیا جائے تو محسن سرے سے شاعر ہی نہیں۔ البتہ ایک صنفِ سخن پر وہ قادر تھے اور اُس خاص فن میں میر و مرزا تو درکنار وہ جامی و نظامی کے مقابل و مماثل معلوم ہوتے ہیں۔

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن ۔۔۔ کلامِ نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

اب یہ مقدمہ حضرتِ محسن کے چند ذاتی اور تاریخی سوانح لکھنے کے بعد ختم کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو اُن کے کلام کے ساتھ مرحوم کے خاندان و وطن اور ولادت و وفات سے بھی اجنبیت نہ رہے۔ حضرتِ محسن کا کوروی نسباً سیدِ علوی تھے یعنی محمد ابنِ الحنیفہ کی اولاد۔ اُن کے اسلاف

میں قاری محمد صدیق المعروف بہ ابو محمد خافی پہلے بزرگ ہیں جو واردِ ہندوستان ہوئے اور اُن کے پرپوتے قاری امیر سیف الدین نے بہ عہدِ سلطنت سکندر یا ابراہیم لودی قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں بود و باش اختیار کی اُن کی اولاد کا وطنِ مالوف اس وقت یہی قصبہ ہے۔ حضرتِ محسن سنہ ۱۲۴۲ ہجری میں بمقام کاکوری پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے جدِ امجد مولوی حسین بخش کی آغوش میں حاصل کی جو سنہ ۱۸۴۲ء تک ضلع اٹاوے میں منصفی کے عہدے پر مامور رہے سنہ ۱۲۵۸ ہجری میں جدِ امجد کے انتقال کے بعد اپنے والد ماجد مولوی حسن بخش کے ساتھ مین پوری میں قیام پذیر رہے۔ ۹ سال کی عمر سے اُن کی نعت گوئی کا آغاز ہے جس کی اصلاح مولوی ہادی علی صاحب اشک لکھنوی سے جو اُن کے خالہ زاد ماموں تھے لیتے رہے اور اُن کی (اشک) وفات کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔

ابتداً مین پوری میں عہدہ نظارت پر کام کیا۔ پھر ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان دے کر امتحان میں کامیابی حاصل کی اور صدر دیوانی آگرہ میں قیام کیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر کے بعد آگرے سے وطن مالوف میں آگئے اور شورشِ غدر فرو ہونے کے بعد مین پوری میں مستقل قیام کر کے وکالت کے پیشے کو رونق دی۔ اُن کی وکالت نہایت کامیاب وکالت تھی اُن کی نازک خیالی اور عالی دماغی کے علاوہ اس بدنام پیشے میں اُن کی دیانت داری راستبازی اور صفائیِ معاملت مخالف کے لیے بھی ناقابلِ اعتراض تھی۔ مرحوم کا قد میانہ، رنگ گندمی چہرے پر چند داغ چیچک کے تھے اور وہ بھی ایسے کہ بہت غور سے چہرے پر نظر ڈالی جائے تو دکھائی

دیں۔ چہرہ گول، بیشتر خشخشی ڈاڑھی رکھتے تھے اور خضاب کرتے تھے چند سال سے ڈاڑھی بڑھالی تھی خضاب ترک کر دیا تھا۔ ہر معاملے میں متانت و سنجیدگی سے کام لیتے تھے۔ آواز میں نرمی و ملائمت خلقی تھی۔ پینتیس ۳۵ سال سے معدے کے علاج میں کسی تیز دوا نے حنجرے کو خشک کر دیا تھا آواز بڑگئی تھی ایک مرتبہ گاڑی پر سوار تھے گھوڑے نے شرارت کی، گاڑی سے گر پڑے دستِ راست کی ہڈی اُکھڑ گئی تھی معالجے سے ہڈی اپنی جگہ پر آگئی تھی، بے تکلف ہاتھ سے کام لیتے تھے مگر ہاتھ کے بلند کرنے میں کسی قدر تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اُن کے اخلاق نہایت پسندیدہ اور اوضاع و اطوار بغایت سنجیدہ تھے یہ بات اُن کے حالات میں یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُن سے کبھی کسی شخص سے شکر رنجی کی بھی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر اُس خیرِ مجسم اور پیکرِ خُلقِ اتم نے اکاسی برس کی عمر میں بمقام مین پوری اسہال کبدی کے مرض میں ۱۸ صفر ۱۳۲۳ ہجری روز دوشنبہ دس بجے دن کو اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت کی۔ قَالُوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ تاریخِ انتقال میں یہ جملۂ قرآنی لاثانی کہا گیا ہے۔ اِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ مرحوم کے اعقابِ گرامی دو فرزندانِ نامی ایک مولوی حاجی نور الحسن صاحب نیرؔ دوسرے مولوی حاجی انوار الحسن صاحب ہیں جنھوں نے علومِ مشرقیہ کی مکمل تحصیل کے ساتھ علومِ مغربیہ میں بھی بی اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور ایک زمانے تک اپنے والد ماجد کے قدم بقدم چل کر وکالت میں امتیازی کامیابی حاصل کی مگر اب اس سلسلے کو ترک کر دیا ہے اور دونوں صاحب وطنِ مالوف میں رونق افروز ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وّعلیٰ آلِ محمدٍ بعددِ کلّ معلومٍ لّک

مطلع اول

بند ۱

ضیاے حق سے عبد اللہ* کے رُوے منوّر میں
وہ طلعت تھی نہیں جس کا نشاں خورشیدِ خاور میں
سبب اس کا یہ فرماتے تھے وہ ہر بزم اطہر میں
ہی منزل اک مہِ کنعاں کی قلبِ زار و مضطر میں

یہ مہمانِ عزیز اُترا ہی کس اُجڑے ہوئے گھر میں

بند ۲

نہ گھر کی طرح گھر ہی اور نہ کچھ سامان گھر بھر میں
نہ اُتنی استطاعت جتنی ہوتی ہی تونگر میں
نہ کیوں پھر آبِ خجلت جوش زن ہو دیدۂ تر میں
ہی منزل اک مہ کنعاں کی قلبِ زار و مضطر میں

یہ مہمانِ عزیز اُترا ہی کس اُجڑے ہوئے گھر میں

* عبد اللہ اسم مبارک ہی حضور سرور کائنات علیہ الصلاۃ والتحیات کے والد ماجد کا جنھوں نے قبل ولادت حضور پر نور بعد سفر شام مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ وقت انتقال اُن کی عمر ستر برس سے کچھ زیادہ تھی۔ اور وہ عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

مطلع دوم

ب ۲

بپا*ہنگامۂ حشر آج ہی دربارِ داور میں	نہیں کچھ امتیازِ باہمی خویش و برادر میں
پڑی ہی اپنی اپنی۔ سب ہیں اپنے اپنے چکّر میں	نہ کوئی پوچھتا ہی اور نہ ذکر اُس کا ہی دفتر میں

ٹ ۱ — بڑا دیوانہ ہی محسن کہاں آیا ہی محشر میں

نہ ذکرِ ترش روئی ہو ذرا بزمِ غم افزا میں	نہ کچھ تلخی شکر رنجی کی ہو یاس و تمنّا میں
یہ حکمِ تازہ جوشِ دل کا ہی اعلیٰ و ادنیٰ میں	نئی الفت کا میٹھا درد ہو تقسیم اعضا میں

ٹ ۲ — کہ بسم اللہ طفلِ اشک کی ہی دیدۂ تر میں

محبّت کے اثر کا درد ہو تقسیم اعضا میں	خلش بن کر سراپا درد ہو تقسیم اعضا میں
جب ایسا ہو تو کیسا درد ہو تقسیم اعضا میں	نئی الفت کا میٹھا درد ہو تقسیم اعضا میں

ٹ ۱ — کہ بسم اللہ طفلِ اشک کی ہی دیدۂ تر میں

جہاں میں کس نے عمر اپنی گزاری ایک حالت پر	نہیں ہی کارخانہ کوئی جاری ایک حالت پر

* قرآن مجید کی سورۂ عبس میں ارشاد ہوا ہی:۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۙ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ؕ یعنی جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بی بی اور اپنے بیٹوں سے ہر شخص کو اُن میں سے اُس دن ایک خاص فکر ہوگی کہ وہ اُس کو کافی ہوگی ۱۲

مگر چکر ہی قسمت کا ہماری ایک حالت پر — وصال و ہجر میں ہی بے قراری ایک حالت پر

ٹیپ — نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی اپنے مقدر میں

تعجب ہی مسرت پر نہ استعجاب کلفت پر — تحیر ہی مگر ہم کو دلِ مضطر کی فطرت پر

عجب مجموعۂ اضداد ہی حیرت ہی حیرت پر — وصال و ہجر میں ہی بے قراری ایک حالت پر

ٹیپ — نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی اپنے مقدر میں

اُسی لیلیٰ کا قصہ کہکے رنگ اپنا جماتا ہی — کہ جس کے نام سے حُسن و فا پر حرف آتا ہی

سُنا وامق کو یا فرہاد کو گر تو سُناتا ہی — خدا کے واسطے اے قیس کیوں مجکو ستاتا ہی

ٹیپ — نہ کہتا تھا کہ ہی کچھ کچھ مروت میرے دلبر میں

کہاں تک صَرفِ غم وقتِ الم جانِ حزیں ہوگی — مصیبت کی طوالت ختم بھی یارب کہیں ہوگی

چڑھائی ظلمتوں کی رات دن کب تک یہیں ہوگی — شبِ ہجراں الٰہی! آج بھی کیا طی نہیں ہوگی

ٹیپ — اندھیرا جھک گیا وقتِ نمازِ صبحِ محشر میں

رہا کرتے ہیں دیوانے ہمیشہ قیدِ مشکل میں — کبھی طوقِ ملامت میں کبھی بندِ سلاسل میں

مگر ہو میری پابندی نئی سب کے مقابل میں — جگہ دے مجکو میرے دلربا کے غنچۂ دل میں

۹ھ	بہار اب کے برس رہ گئے مجھے زندانِ دیگر میں	
خدا کی راہ میں اس طرح جاں بازی کو آئے ہیں	کفن سر سے بندھے ہیں زندگی سے ہاتھ اُٹھائے ہیں	
قیام و قعود کے سب قاعدے دل سے بھُلائے ہیں	تہِ شمشیرِ ابرو بسملوں نے سر جھکائے ہیں	
۱۰ھ	ہماری زندگی کا سجدہ ہی محراب دیگر میں	
نظر مشتاق کی دیکھے اگر آئینۂ دل میں	تو رُخِ پاک آ جائے نظر آئینۂ دل میں	
خدا رکھے سیے بیٹھا ہی گھر آئینۂ دل میں	کھُچی ہی شکل موزوں تیری ہر آئینۂ دل میں	
۱۱ھ	ہر اک مصرع ترے قد کا ہزاروں بحر کی بر میں	
نہیں کچھ فکر غافل دین و دنیا سے اگر دل ہی	کہ اس حالت میں اُس کا چونکنا تحصیلِ حاصل ہی	
وہ حالت کیا؟ یہ حالت ہی، زمانہ جس کا قائل ہی	اُٹھنا خوابِ غفلت کا ہی آساں پر یہ مشکل ہی	
۱۱ھ	کہ رحمت کا بھروسا مجکو چھینٹے دے نہ محشر میں	
غمِ امروزہ کس کا اور کیا خطرۂ فردا	ابھی دونوں جہاں کی فکر سے ہوتا ہی چھٹکارا	
اشاروں ہی اشاروں میں بنا جاتا ہی یہ سودا	عوض میں غمزے کے دیتا کرشمے کے عوض عقبیٰ	
۱۲ھ	لگا ہی ٹھیک اب کے نرخ نامہ یار کے در میں	

کدھر ہیں آشنایانِ سخن دیکھیں نیا منظر
دُرِ مضمونِ عالی سلکِ معنی سے ہیں باہر
ہمارا جوشِ دل لیتا ہی لہریں اب یہ کہہ کہکر
ہی جی میں اس غزل کی بحر میں بھر دیجیے گوہر

۱۴ کہ تابِ جلوۂ حسنِ بیاں ہو آبِ گہر میں

جُدا ہی عالمِ تخیل اپنا سارے عالم سے
چھُوا پایا مالِ مضموں کو نہ فیضِ شاہِ اکرم سے
یہ ادنیٰ سی کرامت مدحِ والا کی سُنو ہم سے
زمینِ شعر پر اعلیٰ مضامیں عرشِ اعظم سے

۱۵ چلے آتے ہیں شوقِ مصرفِ نعتِ پیمبر میں

یہ حصہ ہو چکا ہی طبعِ گوہر بارِ محسن کا
کہ نقطہ نقطہ موتی بن گیا اشعارِ محسن کا
بہت بے جا ہی حسد بے شک یہ اغیارِ محسن کا
حسد کیوں لامکاں پروازیِ افکارِ محسن کا

۱۶ کسی دن معرکہ ہوگا عطارد میں سخنور میں

مطلع ۳ و ۴ و ۵

جو کی آبِ ہوا نے عطر بیزی بحر میں بر میں
بنایا پھول* آتش کو بسائی خاک عنبر میں
عناصر کی یہ خوشبوئیں جو پھیلیں جسمِ اطہر میں
ہوا عالم معنبر صبحِ میلادِ پیمبر میں

* پھول اردو میں آگ کی چنگاری کو بھی کہتے ہیں اور آتش بالکنایہ شراب ریحانی، کو بھی کہتے ہیں جیسے آتشِ تر۔ ۱۲

۱۷ بسا ہی نالۂ جاں سوزِ بلبل تک گُلِ تر میں

شمیمِ خلد کی تاثیر دیکھو یہ چمن بھر میں | کہ مٹّی تک چمن کی بس گئی خوشبوئے عنبر میں
گُلِ اعجاز پھولا صبحِ میلادِ پیمبر میں | بہار آئی ہی شب بس کر دیارِ خلد و کوثر میں

۱۸ ابد تک اب خزاں ٹوٹی رہے پھولوں کی چادر میں

جلالِ کبریائی دیکھنا یہ عہدِ سرور میں | بتانِ خیرہ سر اوندھے ہوئے اللہ کے گھر میں
بڑی عظمت، بڑی طاقت ہی نامِ پاکِ داور میں | بھری ہی شوکتِ شاہنشہی اللہ اکبر میں

۱۹ اذاں کی پنج نوبت بج رہی ہی ہفت کشور میں

مدینے کی زمیں شاہِ دو عالم کو پسند آئی | بنا کر اُس کو دار السّلطنۃ کی عزّت افزائی
مگر تنہا عرب ہی تک نہیں یہ جلوہ فرمائی | نبوّت کا تجمّل اصطفا کی مسند آرائی

۲۰ فلک کی ہفت اقلیم اور زمیں کے ہفت کشور میں

عجب کیا ہی جو شاہانِ زمن اُس کے قدم چومیں | پڑی ہیں ہمّت الطاف کی چاروں طرف دھومیں
اشاروں میں نہ کرتا کس طرح عالم کو قابو میں | شجاعت کا سلح خانہ نہاں ہر چینِ ابرو میں

۲۱ سخاوت کا خزانہ ہر نگاہِ بندہ پرور میں

عَلَم جب ہو گئی تلوار سردارِ دو عالم کی ضیا باری یہ تھی اعجازِ فخرِ نوحؑ و آدمؑ کی	قضا نے پھر نہ دی مہلت کسی کافر کو اک دم کی میانِ بدر* شمشیرِ ہلالی اس قدر چمکی
۲۱	کہ اب تک چاندنی پھیلی ہوئی ہے ہفت کشور میں
جمالِ پاک کی دیکھی جو خوش روئی خوش اسلوبی ملی کس مہر طلعت کو بجز احمدؐ کے یہ خوبی	ندامت کے عرق میں ماہِ نو کی ناؤ تک ڈوبی ہوا ہے اللہ اللہ مطلعِ انوارِ محبوبی
۲۲	شرف کی پہلی منزل تھی بنی ہاشم* کے اختر میں
ہوا جب نقشِ اقرأ† قلبِ احمدؐ کے نگینے میں	تو آیا جوش پر دریائے معلومات سینے میں

* بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی مقام پر ۲ سنہ ہجری میں بدر کی لڑائی ہوئی تھی اور رسول اللہ کے غزوات میں یہی پہلا غزوہ تھا ابوجہل اسی میں مارا گیا۔ غزوہ اُس مذہبی لڑائی کو کہتے ہیں جس میں خود رسول اللہ شریک ہوں ۱۲

* بنی ہاشم (بے پہلے ہے) اس کے لغوی معنی اولادِ ہاشم ہیں۔ اور ہاشم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے پردادا کا نام ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مکے میں قحط پڑا ہاشم نے اس قحط کے وقت شوربے میں روٹیاں چور کر کے لوگوں کو کھلائیں اُس وقت سے اُن کا نام ہاشم مشہور ہو گیا عربی زبان میں چور کرنے کو ہشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔ ستاروں کی چالوں کے مطابق بعض مقاماتِ آسمانی منزل اور مطلع وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہیں۔ چوں کہ یہاں ذکرِ ولادت ہے اور مطلع جائے طلوع کو کہتے ہیں اس لیے بنی ہاشم کے اخترِ مقدر کو بلحاظ مطلع شرف کی پہلی منزل کہا گیا۔ ۱۲

† تلمیح اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (سورہ علق پارہ ۳۰) یعنی پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے تعلیم دی قلم سے وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُس کو معلوم نہ تھیں۔ یہ پہلی وحی ہے جو رسول اللہ پر غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ ۱۲

نہ ہوں کیوں حکمتِ غیبی کے موتی اس خزینے میں	بھرا علمِ لَدُنّی* حق نے سینے کے سفینے میں

۲۴ھ — کہ لہریں لے رہے ہیں بحرِ مواج آپ کی بر میں

سبق پڑھتے تھے تنہا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کا آدم	ہوئے تھے لَنْ تَرَانِیْ سے کلیم اللہ بھی مُلہَم
مگر تیرے لیے اللہ نے اے سرورِ عالم	عیاں فرما کے نورِ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ

۲۵ھ — کلامِ پاک کے تارے اُتارے قلبِ انور میں

شریعت کی ہوا چلتی رہی ذاتِ مقدّس سے	رعیّت دین کی پلتی رہی ذاتِ مقدّس سے
ضلالت کفر کی ٹلتی رہی ذاتِ مقدّس سے	عبادت پھولتی پھلتی رہی ذاتِ مقدّس سے

۲۶ھ — ریاضت باغ باغ آ کر ہوئی پاکیزہ پیکر میں

فلک ہمپایہ اُس کی سرزمیں ہے اس سعادت سے	ازل* سے سجدہ گاہِ اہلِ دیں ہے اس سعادت سے

* یعنی وہ چیز جو کسی کو بغیر اُس کی سعی و کوشش کے اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے عطا فرمائے۔ اصل لَدُن بفتح لام و ضم دال نزدیک کا ہم معنی ہے لَدُنّی میں یائے نسبت لگا کر یہ اصطلاحی معنی پیدا کیے گئے۔ ۱۲ ‡ تلمیح وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا الی آخر الآیہ۔ یعنی آدم کو بتائے سب (چیزوں) کے نام (سورہ بقر رکوع ۴) ‡ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ۔ الی آخر الآیہ یعنی فرمایا (اللہ نے) تم مجکو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ (سورہ اعراف رکوع ۱۷) ‡ تلمیح وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط یعنی اور اللہ نے اُتاری تم پر کتاب اور حکمت اور تم کو سکھایا جو تمھیں معلوم نہ تھا۔ ۱۲ (سورۃ النساء رکوع ۱۷)

* ازل اُس زمانے کو کہتے ہیں جس کی ابتدا معلوم نہ ہو۔ مسلمانوں کے عقیدے میں کعبہ شریف میں (بقیہ بر صفحہ ۹)

سعادت کوئی بڑھ چڑھ کر نہیں ہے اس سعادت سے — طواف اپنا کرے کعبہ یقیں ہے اس سعادت سے

۵۲۶ — کہ خطبہ تھا شہِ کونین کا تقدیرِ منبر میں

خدا کی حکمتیں چشمِ عنایت گر نہ فرماتیں — تو کیا نیرنگیاں انوارِ عالی کی نظر آتیں
نظر آتا تو کیسا دیکھنے کی یہ سزا پاتیں — نگاہیں مہر طلعت کے مقابل خیرہ ہو جاتیں

۵۲۷ — شبِ معراج اگر کاجل نہ ہوتی چشمِ اختر میں

شبِ معراج حضرت نے فَاَوْحٰی کا سنا مژدہ — لگا کر سرمۂ مَازَاغ* دیکھا اک نیا جلوا
اُٹھے بستر سے اُٹھکر آسماں کا قصد فرمایا — پڑھا ہاتف نے بسم اللہ۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی

۵۲۸ — جب آیا خانۂ زینِ براقِ برق پیکر میں

گھر ہی جو انسان کے لیے بنایا گیا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا یعنی پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا وہ بکّے میں تھا۔ واضح رہے کہ مکّہ معظمہ کا قدیم اور اصلی نام بکّہ (مع الباء) ہے۔ عام فہم اصطلاح میں ابتدائے آفرینش کو بھی ازل کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کا روزِ ازل آفرینشِ آدم سے مراد ہے۔ جبکہ حسبِ ارشادِ قرآنی آدم کے لیے یہی پہلا گھر بنایا گیا تو اس نسبت کو دیکھتے ہوئے مضمونِ شعر محض شاعرانہ تخئیل نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔ ۱۲

* فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ یعنی پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی کی۔ (سورہ نجم رکوع ۱)

* مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ یعنی نہ نظر بہکی نہ حد سے بڑھی۔ (سورہ النجم رکوع ۱) * سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا یعنی وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصا تک۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱) لفظ بسم اللہ اس آیت سے الگ ہے۔ یہ آیات معراج کے قربِ عروج کو ثابت کرتی ہیں۔

زمیں نے پائی عزت آپ سے جب پائمالی کی — تو اُس نے نذرِ باغِ دہر سے پھولوں کی ڈالی کی
یہ دیکھو منزلت اُس دین کے دنیا کے والی کی — فلک نے آبرو پائی جو چترِ فرقِ عالی کی

٢٩ دُرِ شہوارِ انجم ہوگئے داخل نچھاور میں

شبِ معراج جب پہنچے فلک پر سیدِ والا — فرشتوں کو برابر طَرِّقُوا* کہتے ہوئے پایا
خوشی میں خیر مقدم کی نیا اعزاز یہ دیکھا — باستقبال آیا مرحبائے* آدم و عیسیٰ

٣٠ جو پہنچا خدمتِ والا پدرِ عالی برادر میں

بجز حضرت کے ہو سکتی نہ تھی یہ اور کی ہستی — وہاں پہنچے جہاں معدوم تھی مخلوق کی بستی
مگر قسمت سے تھا موجود یا وصف تہی دستی — یدِ بیضا* چراغِ طور سے روشن کیے دستی

٣١ کہ سجدے میں جھکا ہوگا اندھیرا رستے بھر میں

* طَرِّقُوا عربی کا صیغہ امرِ حاضر ہے لغوی معنی راہ دو، ایک طرف ہو جاؤ جیسے اُردو روزمرہ میں ہٹو بچو۔ سلاطین کے آگے نقیب چوبدار باآواز کہتے چلتے ہیں ×٭ ان دو تین شعروں میں مداحِ فخرِ رسل نے انبیاءِ سلف کا اعزاز و وقار قائم رکھتے ہوئے جن چیزوں کو استقبال و اہتمام کے لیے پیش کیا ہے اُس میں خاص ادب ملحوظ ہے۔ یعنی مرحبائے مسیح اور یدِ بیضائے کلیم استقبال کرنے اور مشعل دکھانے کو بڑھے نہ کہ خود وہ بذاتہا۔ اس شعر کی بابت راقم نے خصوصیت سے حضرت محسن کو لکھا تھا جس کے جواب میں اُنھوں نے تحریر فرمایا۔ شعر (یدِ بیضا) کے معنی وہی صحیح ہیں جو آپ نے معنی اول قرار دیے ہیں یعنی یدِ بیضا مشعل لیے ہوئے تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہات میں مشعل ہونا خلاف ادب ہے۔ ۱۲
ر دستی مشعل کو کہتے ہیں۔ ۱۲ ر مرحبا کی تذکیر کے متعلق مقدمے میں ذکر ہو چکا ہے۔ ۱۲

قدومِ[*] احمدی کی انبیا میں جب ہوئی شہرت
وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا ہوتی کیوں نہ ہر ساعت
علی قدرِ مراتب کی ہر اک نے جا بجا عزت
دعا یوسف کی لے ہر دل عزیز۔ انجم لقربانت

۳۲ ھ — ہے پیراہنِ محبوبیِ خالق ترے بر میں

رسولِ حق ہوئے جب تاجدارِ خلعتِ[**] قدسی
بھلا مجھ سے بیاں ہو کیا وقارِ خلعتِ قدسی
بڑھائی جامہ زیبی نے بہارِ خلعتِ قدسی
قلم ادریس کا مدحت نگارِ خلعتِ قدسی

۳۳ ھ — کہ ساتوں پارچے ٹھیک آئے اُس کے جسمِ اطہر میں

ہوئی تفویض بیت اللہ کی جب آپ کو خدمت
سُنی ہے آج تک ایسی کسی نے ایک بھی دعوت
قدم حضرت کے آتے ہی بتوں کی آگئی شامت
ملے شکرانے میں اُس بت شکن کو خوانِ صد نعمت

۳۴ ھ — یہ مہمانی ہوئی باغِ خلیلِ ابنِ آزر میں

تعالی اللہ کیا رتبہ تھا اُس کا اور کیا پایا
پرِ جبریل فرشِ راہ سر پر نور کا سایا
کہ جس کے واسطے یہ اہتمامِ خاص فرمایا
جوانِ ہاشمی کس شان سے بالائے عرش آیا

۳۵ ھ — کہ آئی ہفت پشتِ آسمانِ پیر چکر میں

[*] قدوم بمعنی تشریف آوری (آنا)، قدم یعنی پانوں کی جمع نہ سمجھی جائے۔ ۱۲ [**] خلعت بکسر اول وہ کپڑے جو سلاطین سے بطور انعام عطا ہوتے ہیں جن کی تعداد سات اور کم سے کم تین ۳ ہوتی ہے۔ یعنی دستار۔ جامہ۔ کمر بند۔ ۱۲

ہمیشہ خاکساری کی خدا نے آبرو رکھی — جُھکا جو عاجزی سے بات اُس کی ہو گئی اونچی

یقیں آئے نہ جس کو دیکھ لے یہ شاہدِ عینی — فلک کو عرش پر تھا نازِ تقدیمِ قدمبوسی

۳۶ مگر دیکھا تو کعبہ چھپ چکا تھا پہلے منبر میں

جب ایسے مرتبے ہوں اپنے سردارِ مکرّمؐ کے — تو پھر ہم عاصیوں کا اخترِ قسمت نہ کیوں چمکے

سمجھ کر یہ کہ مالک ہیں یہی فردوسِ اعظم کے — کلیدِ بابِ جنّت نذر کی سلطانِ عالم کے

۳۷ مسہری پھولوں کی مہکا کرے رضواں تیرے گھر میں

رسول اللہ کا معراج میں جانا نہیں فرضی — حقیقت میں گئے تھے چھوڑ کر وہ مسکنِ ارضی

مگر تنہا ملیں آکر یہ تھی اللہ کی مرضی — نہ کیوں حدِ ادب پر ختم ہو جبریل کی عرضی

۳۸ کہ شمعِ قرب نے تاثیر کی پروانے کے پر میں

دکھا سکتا ہی کس کو اپنی قربت دورِ آفاقی — اب اس میں کوئی بھی ہو خواہ مشائی٭ کہ اشراقی

مگر تھی جذبِ وحدت کو کشش میں اتنی مشتاقی — بقربِ قابَ قوسَینِ٭٭ آپ پہنچے تو نہ تھا باقی

٭ مشائین وہ حکما جو ادراکِ حقائق کے لیے چل پھر کر دلائل و علامات سے مقصد حاصل کرتے ہیں۔ اور اشراقیین وہ حکما جو کثرتِ ریاضت و مکاشفہ اور اپنی روشنی باطن سے بغیر چلے پھرے دریافتِ حقیقت کرتے ہیں۔ افلاطون۔ بقراط گروہِ اشراقین میں تھے ۱۲

٭٭ قابَ قوسَین کے لغوی معنی مقدار دو کمان کے ہیں۔ اور یہاں اشارہ ہی آیۂ مبارکہ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہ کی طرف یعنی بقدر دو کمانوں کے فاصلہ رہ گیا بلکہ (اس سے بھی) کم۔ (سورۃ النجم رکوع ۱)

۳۹ھ پر یک تیر کا پلہ کماں کش اور کماں گر میں

بجا ہی فخر احمدؐ کو احد سے ربطِ بے حد کا — محافظ ہی وہی گنجینۂ نورِ مجرّد کا
مگر رہتا کہاں تک بند قفل اک حرفِ ابجد کا — تعجب کیا معمّا کھل گیا گر میمِ احمدؐ کا

۴۰ھ کہ ہی نیرنگِ بے رنگی ہمیشہ رنگِ دیگر میں

محمدؐ کے سوا ذاتِ احد سے کون ملحق ہی (ملا ہوا ۱۲) — وہی حقدار ہی اُس کا اُسی کا واقعی حق ہی (استحقاق ۱۲)
یہ دعویٰ اپنا برحق ہی تعجب اس میں ناحق ہی (عبث ۱۲) — خدا کا نام حق ہی مصطفیٰ کا نام بھی حق ہی (صحیح۔ بجا ۱۲)

۴۱ھ نہاں سرِ حقیقت ہی مجاز ذاتِ اطہر میں

دو رنگی نے جو یکرنگی دکھائی عشقِ کامل میں — کھنچ آیا نقشِ یکجان و دو قالب ایک منزل میں
سمجھ کا پھیر ہی ہیں ورنہ دونوں ایک محفل میں — گھر اُس کا کعبہ اور اللہ اُس کے کعبۂ دل میں

۴۲ھ خدا ہی اُس کے گھر اور وہ خدائے پاک کے گھر میں

وہ پُر انوار مضمون ہی مرے دل میں ضیا افگن — زمینِ شعر کو جس نے بنایا وادیِ ایمن
فلک بھی دیکھ لے برقِ طبیعت کو مری احسن — پڑھوں اک قطعۂ پر نور جس کا مطلعِ روشن

لکھیں لوحِ بیاضِ آفتابِ صبحِ محشر میں

۴۳ — مطلع ۶ قطعہ بند

یہ آمنّا* کہ افضل پنجتن ہیں بحر میں بر میں
مگر ہوتی ہیں پانچوں انگلیاں کب ایک نمبر میں

شہادت کل ملے گی اس کی یوں دربار داور میں
اُٹھیں گی انگلیاں کلمے کی تیری سمت محشر میں

۴۴ — جو پوچھیں گے ہے کس کا دخل آج اللہ کے گھر میں

نہیں بے وجہ پہلے سورۂ اَلحمد* قرآں میں
غرض یہ تھی ہے احمدؐ بھی شامل حمدِ سبحاں میں

کسی صورت سے ہو موجود ہے پیدا و پنہاں میں
ترا اسمِ گرامی زیرِ بسم اللہ عنواں میں

۴۵ — ازل کے ہر صحیفے میں ابد کے ہر رجسٹر میں

خطِ اوّل ہے تیرا مرکزِ دوراں کے نقشے میں
بھرا ہے رنگ تو نے عالمِ امکاں کے نقشے میں

اثر پایا یہ ہر ذی روح ہر بے جاں کے نقشے میں
ترے انوار کا پرتو مہِ کنعاں کے نقشے میں

۴۶ — تنِ بے سایہ کی تصویرِ عکسی مہرِ خاور میں

کوئی دُرِّ یتیم ایسا نہیں بحرِ سیادت میں
کوئی نجمِ شرف ایسا نہیں برجِ نبوّت میں

ملی ہیں نعمتیں کثرت سے تجکو بزمِ وحدت میں
حسب میں اور نسب میں اور شرافت اور کرامت میں

---

* قرآن پاک میں سورۂ فاتحہ کا پہلا لفظ بسم اللہ کے بعد الحمد ہے جس کی کتابت میں احمدؐ کا جلوہ موجود ہے۔ ۱۲
آمنّا۔ یعنی ہمارا ایمان ہے۔ مسلّم و صحیح پنج تن یعنی محمدؐ مصطفےٰ ۔ فاطمہ ۔ علی ۔ حسن حسین علیہم السلام ۔ ۱۲

۴۷ نہ تیرا مثل مَظہَر میں نہ تیرا مثل مُظہَر میں

صفاتِ ذاتِ باری کا ہے پرتو سروران میں — اگر اس کو نہ مانے فرق ہے ایمانِ مومن میں
مُسَلَّم ہو چکا یہ مسئلہ انسان میں جن میں — دلِ بیدار کا مانند ظاہر میں نہ باطن میں

۴۸ ضمیرِ پاک کا ثانی نہ مُظہَر* میں نہ مُضمَر میں

نہ ہوتا تو تو رہتا ناقص امرِ کُن** فکان بے شک — تصرف سے ترے ہی مُنشَعِب+ فعلِ زماں بے شک
ترے جلوے کی ہیں کونین میں نیرنگیاں بے شک — ترے ہی نور سے نکلے زمین و آسماں بے شک

۴۹ نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں

رہے وہ دل سے حاضر خدمتِ سرکارِ اعظم میں — ملی ہیں نعمتیں دونوں جہاں کی اُن کو اک دم میں
تری صحبت تری نسبت کے ہیں چرچے یہ عالم میں — دمِ شمشیرِ موسیٰ تیرے اصحابِ مکرم میں

۵۰ کمالِ آلِ ابراہیم تیری آلِ اطہر میں

رہی ملحوظِ خاطر اُن کو ہر دم تیری خوشنودی — سمجھتے تھے وہ سب کے سب اسی میں اپنی بہبودی

* مَظہَر بفتح میم ظہور کی جگہ۔ اور مُظہَر بضم میم و فتح ہا وہ چیز جو ظاہر کی گئی بخلاف مضمر۔ ۱۲ ** کُن صیغہ امر یعنی ہو۔ فکان یعنی پس ہوا۔ مراد ہے عالم موجودات سے۔ کان۔ کُن وغیرہ بقاعدہ صرف عربی افعال ناقص کہے جاتے ہیں۔ ۱۲
+ مُنشَعِب بضم میم و سکون نون و فتحہ شین و کسرہ عین ہے جس کے لغوی معنی ہیں پھیلنے والا۔ اور صرف عربی کی مشہور کتاب درسی۔ ۱۲

رسولوں میں نہ تھے لیکن نہ ہے الطافِ معبودی | ترے اقبال سے شانِ سلیمانی و داؤدی

۵۱ ہوئی یکجا ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ میں

محمدؐ مصطفیٰ کا خون ہی عباسؓ و حمزہؓ میں | شرافت اس لیے مکنون ہی عباسؓ و حمزہؓ میں

نیا ایک اور یہ مضمون ہی عباسؓ و حمزہؓ میں | وقارِ ہیبتِ ہارونؑ* ہی عباسؓ و حمزہؓ میں

۵۲ جلالِ تیغِ یوشعؑ تیغِ سلمانؓ و ابوذرؓ میں

بنائیں گرچہ کاتب لاتعدُ الفاظِ مکتوبی | نہ لکھی جائے لیکن ایک بھی ان دونوں کی خوبی

نظر آتا ہی مشتاقوں کو اے انوارِ محبوبی | تری نسبت سے حُسنِ یوسفیؑ و صبرِ ایوبیؑ

۵۳ گل اندامانِ جنت سبطِ اکبر سبطِ اصغر میں

مدینے تک جو کی *پھر یاوری قسمت نے لانے میں | تکلف کچھ نہ ہوگا جنت الماویٰ کے جانے میں

*۔ ہارون برادر حضرت موسیٰ علیہما السلام ۔ اس کا اظہار نون استعمالِ متاخرین شعر کے موافق ہنیں ۔ راقم نے خود مصنف سے اُن کی حیات میں استغفار کیا تھا جواباً لکھا کہ علَم (نام) ہی جو غیر منصرف ہوتا ہی اسیلے جائز سمجھا گیا ورنہ یوں ہو سکتا ہی) وقارِ ہیبت ہارون ہی عباس اور حمزہ میں ۔ ۱۲ ⁂ ایک پیغمبر کا نام ہی جو حضرت موسیٰ کے خلفا میں تھے یوشعؑ اور یشوع بھی انھیں کو کہتے ہیں ۔ ۱۲ ⁂ سلمان اور ابوذر اصحابِ رسول کے نام ہیں ۔ ذرؔ عربی میں زمین پر کسی چیز کے بکھیرنے کو کہتے ہیں ۱۲ ⁂ یعنی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ۔ سبط پوتے یا نواسے کو کہتے ہیں ۔ ۱۲ * پھر حشو و زائد ہنیں بلکہ راقم عاصی ایک بار مدینہ منورہ حاضر ہو چکا ہی ۔ ۱۲

کہ ہی مِن بَین قبری سے یہ ثابت ہر زمانے میں* | رہِ جنّت ملی ہی آکے تیرے آستانے میں

۵۴ شمیمِ خلد کوچے کی نسیمِ روح پرور میں

یہ برقی روشنی کیا ہی یہ انجم کی ضیا کیا ہی | مہ و خورشید کو بھی رات دن کاہش میں دیکھا ہی
منوّر ہیں مگر بستی پر اُن سب کا اُجالا ہی | تو وہ کوکب ہی جس کا لامکاں تک نور پھیلا ہی

۵۵ نہیں ہی اس شرف کا کوئی تارا آسماں بھر میں

*لگا پیوند گر نگی جو تیرا نخلِ وحدت میں | تو شاخیں اُس کی پھیلیں ہر طرف گلزارِ کثرت میں
کریں کتنی ہی تدبیریں مگر ہر ایک حالت میں | نہیں ہی اور نہ ہوگی اور کے طالع میں قسمت میں

۵۶ جو تیری منزلت جو قدر ہی سرکارِ داور میں

دگرگوں ہو رہے ہیں آج کل احوال اُمّت کے | جدا اقوال سے ہیں سربسر افعال اُمّت کے
وظیفے ہیں یہی ہر ماہ اور ہر سال اُمّت کے | وہ دن جلد آئے یارب جبکہ ہوں پیش اعمال اُمّت کے

۵۷ قریبِ عرش کرسی ہو تری دربار برتر میں

*مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ - یعنی میری قبر اور منبر کے درمیان میں جنت کی زمین ہی۔ حدیثِ نبوی ہی۔ ۱۲
* پیوند کو کوئی صاحب پیدو کا لفظ نہ سمجھیں۔ احمد بیگ ہمدانی ؎ زبس بیگانہ ام از آشنایاں ہمچو غریبم در وطن چوں شاخِ پیوند۔ سلطان علی بیگ راہی ؎ دو دل از عشق چوں باہم شوند یکے گردد ؎ چوں نخلِ پیوند۔ ۱۲

ملا ہی رتبہ یہ تیرے ہی فیضانِ شفاعت کو — کہ چھینٹے دے کے لائے جوش پر دریائے رحمت کو
یہی حسرت یہی اُمید ہے اہلِ قیامت کو — گنہگارانِ اُمت کی صفائی کی شہادت کو

۵۸ تری چشمِ عنایت مُہر ہو ہر ایک محضر میں

بڑے چھوٹے سبھی ہوں گے طلب سرکارِ عالی میں — بچے گا بے گئے کُل کوئی کب سرکارِ عالی میں
مگر بچنے کا ہے بس ایک ڈھب سرکارِ عالی میں — کبائر پہلے پوچھے جائیں جب سرکارِ عالی میں

۵۹ ندامت سے صغائر مُنھ چھپا لیں اپنا محشر میں

صغائر مُنھ چھپا لیں جب گریبانِ ندامت میں — جگہ دینا اُنھیں تو اپنے دامانِ عنایت میں
تری اس پردہ پوشی پر عجب کیا گر قیامت میں — معافی کی ملے جاگیر مجکو ایسی حالت میں

۶۰ کہ دیگر عرضیاں بے حکم کے داخل ہوں دفتر میں

پڑھا ہے آپنے قانون قدرت کی عدالت کا — ملا ہے حاکمِ عادل سے پروانہ وکالت کا
شریروں سے وہ تھے واقف یہ موقع تھا ضمانت کا — عجب کیا گر کہیں حضرت نے اُمت کی حفاظت کا

۶۱ مُچلکا* لے لیا دوزخ کے کارندوں سے دم بھر میں

* بقول فرہنگ آصفیہ ترکی زبان کا لفظ ہے بمعنی عہدنامہ و اقرار نامہ۔ ۱۲

فنافی المعرفت کے دائرے میں جن کے جمگھٹ ہیں
بڑے قانع بڑے صابر نہ شاکی ہیں نہ منہ پھٹ ہیں
نہ اُن کے پاس بستر ہیں نہ اُن کے ساتھ چھپر کھٹ ہیں
تری دیوار کے سائے میں اہلِ حق کے جھرمٹ* ہیں

٦٢ — دمِ توحید کی ہو حق ہی ہے تیرے حلقۂ در میں

فرشتے بالیقیں معصوم ہیں ہر ایک حالت میں
نہیں رشک و حسد کا مادہ اُن کی طبیعت میں
مگر انداز سے یہ شبہ ہوتا ہے قیامت میں
کراماً کاتبیں امیدِ تشریفِ شفاعت میں

٦٣ — کہیں لکھدیں نہ اپنا نام گنہگاروں کے دفتر میں

منقش* آیت الکرسی ہے جس پر وہ نگیں تو ہے
کہ مَن ذَا الَّذِی یَشْفَعُ جسے وہ بالیقیں تو ہے
نہیں قیدِ مکاں کوئی جہاں دیکھا وہیں تو ہے
غرض ہر جا شفیع و رحمۃٌ للعالمیں تو ہے

* یہ لفظ بعض کے خیال میں بضم میم ہے۔ مگر فرہنگ آصفیہ میں بفتح میم لکھا ہے اور اسی کی تائید انشا کے کلام میں ملتی ہے۔ جٹ جٹ، پرے ہٹ کے مطلع والی غزل مستزاد میں یہ شعر ہے۔ ہے نور بصر مردمک دیدہ میں پنہاں۔ یوں جیسے کنھیا + سو اشک کے قطروں سے پڑا کھیلے ہے جھرمٹ۔ اور آنکھیں ہیں پنگھٹ + شاہزادہ سلیمان کے قصیدے میں کروٹ، اٹچٹ کے قوافی میں کہتے ہیں سرو و شمشاد و صنوبر سے کے بن ٹلتی ہو کھیلے جاتے ہیں ہم آج چمن میں جھرمٹ + پھر دلھن جان کے قصیدے میں بہ تحت قوافی مذکور کہا ہے سے دعا یہی ہے کہ دنیا ہو اور دلھن جان ہو + نشاط و عیش و طرب کا دہیں لگے جھرمٹ، و جھرمٹ کھلنا سر سے پانوں تک چادر اوڑھ کر ایک کھیل ہوتا ہے۔ ظفر کے دیوان اول میں کروٹ۔ پنگھٹ کے قافیوں کے ساتھ یہ شعر ہے سے بندش اس رشک قمری کہوں کیا تو رہے کی + چاند کے پیچھے پڑ مارے ہوئے جھرمٹ بدلی + یہ شعر حضرت محسن کے مطبوعہ مجموعہ نظم میں نہیں مگر اُن کی زندگی میں یہ نظم جب چھپی تھی اُس میں موجود تھا۔ ١٢

* وہ آیت شریف جو سورہ بقر کے رکوع ٣٤ میں واقع ہے جس کی ابتدا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ سے اور انتہا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ پر ہے؛ آیت الکرسی مذکور کا یہ جزو ہے جس کے معنی ہیں "کون ہے جو بغیر اذن اُس کے سفارش کرے"۔ ١٢

۶۴ — زمیں میں آسماں میں جنّتُ الماویٰ میں محشر میں

محمّد مصطفیٰ کی نعت لکھوں اور میں حاشا — کہ چھوٹا منھ بڑی ہے بات یہ رتبہ نہیں میرا
عقولِ عشرہ کس گنتی میں ہیں کیا ہو شمار اُن کا — نہیں ممکن کبھی اُس کے مدائح سو میں دس لکھنا

۶۵ — جو کلکِ و زباں ہو دہ زباں دستِ سخنور میں

بہت جوہر دکھائے سب نے اپنی قابلیت کے — ہزاروں نے لکھے لاکھوں مضامیں تیری مدحت کے
مگر آخر میں یہ کلمے سُنے ہر ذی لیاقت کے — وہ تیری مدح بس ہے جو لکھی خامے نے قدرت کے

۶۶ — نبوّت کے صحائف میں خداوندی کے دفتر میں

مرا زورِ طبیعت اس قدر بندش پہ قادر ہو — بُرے مضمون کو بھی وہ باندھنا چاہے تو نادر ہو
دعا مقبول اتنی مدحِ پیغمبر کی خاطر ہو — سخن یارب مرے دل کی تڑپ کے ساتھ حاضر ہو

۶۷ — سند لینے کو سرکارِ قبولِ خاصِ داور میں

کبھی دل میں گمانِ بد نہ لائے حُسنِ ظن میرا — بُرائی سے مبرّا ہو ہر اک قولِ حسن میرا

ؔ عقولِ عشرہ۔ یعنی دس فرشتے۔ اکثر حکماء کے نزدیک سب فرشتوں کی تعداد دس ہے جو بحکم خدا یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے اور ہر فرشتے نے پیدا ہو کر اپنے بعد دوسرا فرشتہ اور ایک آسمان پیدا کیا اسی طرح دس فرشتے اور نو آسمان پیدا ہوئے۔ اور دسویں فرشتے نے حق تعالیٰ کے حکم سے تمام عالم پیدا کیا (غیاث اللغات)

مثالِ جزو داں مصحف کا حافظ ہو دہن میرا
رہے پہنے ہوئے قرآں کا جامہ سخن میرا
۶۸ کوئی حرفِ غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

قبولِ حق کے دفتر میں جو ہو ارسال نقل اس کی
تو پہلے اصل پڑھ لیں پھر کریں عُمّال نقل اس کی
مگر ملتی ہے ان دو شرطوں پر فی الحال نقل اس کی
لکھے کلکِ رضا سے کاتبِ اعمال نقل اس کی
۶۹ مرے انفاس کا ڈورا لگا کر اپنے مسطر میں

معرّف ہے محمّدؐ مصطفیٰ کا حق تعالےٰ تک
صدائے مدحت و احسنت ہے عرشِ معلّیٰ تک
کیا کرتا ہے یوں تو مدح ہر ادنیٰ سے اعلیٰ تک
یہ نعتِ تازہ سن کر عندلیبِ شاخِ طوبیٰ تک
۷۰ کہے کیا خوب طوبی بولتا ہے باغِ سرور میں

اسی کوچے کی پھیری سے ہے دلچسپی طبیعت کو
اسی چوکھٹ سے پایا نعمتِ صبر و قناعت کو
اسی گھر کی غلامی نے بھلایا بادشاہت کو
اسی در کی گدائی سدِّ اسکندر ہو ہمّت کو
۷۱ نہ جاؤں میں کبھی دربارِ کسریٰ میں نہ قیصر میں

خدایا کرچکا ہوں میں طوافِ روضۂ اکرم
لگا آیا ہوں مُنھ پر خاکِ کوئے سیّدِ عالم
مگر اب پاشکستہ ہو کے خواہش ہے یہی پیہم
سمایا ہو خیالِ دلربا ہر لحظہ و ہر دم

۲۲

۷۲ کہ میری جان آنکھوں سے چلے اللہ کے گھر میں

فشارِ قبر کے صدمے نہ کچھ اعضا مرے سہتے   فرشتوں کے سوالوں سے نہ دل میں وسوسے رہتے
تمنا ہی کہ سیلِ آبِ رحمت میں تری بہتے   نکیر و منکر آئیں قبر میں میری یہی کہتے

۷۳ کہ سو آرام سے یادِ خدا حُبِّ پیمبر میں

صفِ محشر میں جب مجکو فرشتے لے چلیں آکر   پڑے راہِ عبادت سے نہ میرا اک قدم باہر
وضو لازم نہیں ہوتا سفر کی وجہ سے اکثر   لگا دیں خاکِ پا ممدوح کی مدّاح کے مُنھ پر

۷۴ تیمُّم کرکے داخل ہوں نمازِ صبحِ محشر میں

کلیدِ گنجِ استغنا ہی کس دستِ شکستہ میں   اُسی میں ہی ترا دامن ہی جس دستِ شکستہ میں
خُدایا بخش دے اتنی توحس* دستِ شکستہ میں   سفارش نامہ ہو مولا کا اس دستِ شکستہ میں

۷۵ پکاریں جب مجھے سرکارِ عالی جاہ داور میں

الٰہی! کھول دے بابِ قبول اس وقت تو ہم پر   اُڑیں اپنی دعاؤں کے پھریرے عرشِ اعظم پر
درودِ رحمتِ حق روضۂ شاہِ دو عالم پر   درودِ غیر محدود آپ کی روحِ معظّم پر

* حضرت محسن ایک تہ گاڑی سے گر پڑے تھے جس کے صدمے سے سیدھے ہاتھ میں چوٹ آگئی تھی اس صدمے سے ہاتھ اُٹھانے میں تکلف ہوتا تھا۔ ۱۲

۵ٹ تسلسل رشتہ ہی جب تک ابد کے سلکِ گوہر میں

ہُوا چاروں طرف جاری یہ حکمِ حضرتِ داور
رہے پاسِ مراتب سب کو اِن کا بعدِ پیغمبر

ہوائے رحمتِ مخصوص پہنچاتی رہے جاکر
سلامِ غیر معدود آل و اصحاب مکرّم پر

دوامِ عیش ہی جب تک بہشتِ روح پرور میں

معروضِ دگر

۱۳۴۰ھ

شد بہار و دگر آئینِ گلستاں بستند
عاشقاں گُل ز جگر بر سرِ مژگاں بستند

اَلْکَلَامُ یَجُرُّ اِلَی الْکَلَامِ عربی کی مشہور مثل ہی جس کا ترجمہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں مستعمل ہی۔ ان اجزا کی آغاز کتابت میں صرف حضرت محسن کی نظمِ دل افروز کے مخمس کا شایع کرنا مقصود تھا مگر ختم کرتے کرتے بات سے بات پیدا ہوگئی اور ایک دوسری تضمین کا خیال آگیا۔ ساتھ ہی اس تحریک خیال نے سمجھایا کہ روزہ زندگی میں آج کے کام کو کل پر ٹالنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ایک نظم اٹھارہ[۱۸] برس بعد شایع ہو رہی ہی تو ان حسابوں یہ دوسری تضمین ابھی دس برس دریے گی۔ لہٰذا اس حُسنِ اتفاق کو غنیمت سمجھکر مخمسِ نعت نبی کے ساتھ عرضِ حالِ عاصیاں کو بھی شایع کردینا چاہیے۔

عمر صرفِ پنج روزہ موسمِ گُل ساختن
در حقیقت شعرِ رنگیں کا مخمس کردن است

یہ تضمین بھی آج سے دس برس پہلے شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مرحوم کی مشہور و مقبول نظم عرضِ حال پر لکھی گئی تھی۔ مولانا حالی کی طرزِ خصوصی نے جن رائج الوقت سکوں کو اُردو کی ٹکسال میں کامل العیار بنایا ہی اُن کی پرکھ مجھسے زیادہ ابنائے زمانہ رکھتے اور کرسکتے ہیں اس لیے اس باب میں کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہی۔ چوں کہ یہ نظم بھی دربارِ رسالت سے متعلق ہی اور زمانے کی موجودہ خستہ حالیاں اس کی مقتضی ہیں کہ مسلمانوں کا ہر موئے تن زبانِ فریاد بن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے استعانت چاہے، اس لیے سعادت اندوزیِ نعت کے بعد اُس کی صلہ خواہی کے واسطے یہ فریاد بے وقت کی راگنی نہ سمجھی جائے گی۔ مزید براں ؎

نالہ محتاجِ لَے نہیں ہی — فریاد کی کوئی لَے نہیں ہی

مولانا حالی نے اس نظم کا نام عرضِ حال رکھا تھا۔ حقیر نے اُس کی تضمین ۱۳۳۱ھ ہجری میں کی ہی۔ اس لحاظ سے تاریخ تنظیم کی خاطر عرضِ حالِ عاصیاں سے موسوم کی جاتی ہی۔ جس طرح اصل نظم کے دو مصرعوں میں تین مصرعوں کے اضافے سے متن کی شرح کی گئی ہی اسی طرح اصل نام کو قائم رکھتے ہوئے عرض حال کی عمومیت عاصیوں کی خصوصیت سے حقیقت حال کو واضح کرتی ہوئی ؎

معنیِ بلفظِ نازک پیوندی کنم
بوئے گُلے بہ برگِ گُلے بندمی کنم

راقم
احسن آثم
۲۵-۱۲-۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

تضمینِ عرضِ حال

بند ۱

اے سرورِ دیں رُتبہ ترا سب سے بڑا ہے	تو نامِ خدا نورِ خدا شمعِ ہُدیٰ ہے
تو واقفِ اسرار ہے پھر دیر یہ کیا ہے	اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے

بند ۲ — اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو گُل بڑے سامان سے نکلا تھا چمن سے	جو چاند بڑی آن سے نکلا تھا گہن سے
جو دُر بڑے ارمان سے نکلا تھا عدن سے	جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

بند ۳ — پردیس میں وہ آج غریب الغُربا ہے

جس خوان کی نعمت کے مزے لیتی تھی دُنیا	جس در سے سَدا* برکت کا بٹتا رہا توشا
جس کیش کے عیسیٰ تھے مُبشّرِ بس موسیٰ	جس دین کے مدعُو تھے کبھی سیزر* و کسریٰ

* خیرات جو روزانہ ہوتی رہے۔ لنگر۔ ۱۲ * سیزر یعنی قیصر۔ ۱۲

۵۴ خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہی

وہ گھر کہ ہوا نورِ خدا جس سے نمایاں
وہ نور کہ جس نور میں ظلمت ہوئی پنہاں
وہ راہ جو روشن تھی مثالِ مہِ رخشاں
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں

۵۵ اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہی

جس دین کے تابع تھے کبھی قیصر و خاقاں
جس دین سے دنیا پہ کھُلا جوہرِ ایماں
جو دین کہ تھا امن کا اک قلعۂ ذی شاں
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں

۵۶ اب اُسکا نگہباں اگر ہی تو خدا ہی

جو خانہ بدوشوں کو بتاتا تھا ٹھکانے
آباد کیے وحشیوں کے جس نے گھرانے
جو اُنس و محبت کے سُناتا تھا فسانے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے

۵۷ اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہی

جس کیش نے اخلاص کے سکے تھے بٹھائے
جس قوم نے پردیس میں گھر اپنے بنائے
جس پَنتھ میں اپنے نظر آتے تھے پرائے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے

ملت و مذہب ۱۲

۵۸ اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جُدا ہی

جس گھر میں بجز خیر نہ نفرت تھی نہ شر تھا — جس قوم کا ایک ایک بہم شیر و شکر تھا

جو ملک کہ اصلاح و مواخات کا گھر تھا (بھائی چارا ۱۲) — جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا

۹ اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہے

جس شرع کا پابند تھا سلطان بھی گدا بھی — جس ملتِ محمود کا اچھا تھا بُرا بھی

جس دین میں تھی صبر کی دولت بھی سخا بھی — جس دین کا تھا فقر بھی اکسیرِ غنا بھی

۱۰ اُس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے (تونگری ۱۲)

جو شرع کہ تھی شرحِ مبیں حکمِ خدا کی — جو فقہ کہ تھی جانِ عبادت فقہا کی

جو راہ کہ منزل تھی شہ ہر دوسرا کی — جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی

۱۱ وہ عُرضۂ* تیغِ جہلا و سُفہا ہے

جس دین سے اُسلوب* غلط ہو گئے مسلوب — جس دین کے طالب ہوئے اللہ کے مطلوب

جس دین کی ہیبت سے ہوئے قلب بھی مقلوب — جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب

۱۲ اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

* بضم عین۔ درمیان میں ڈالی ہوئی چیز جس پر ہر شخص معترض ہو۔ یہاں نشانہ یا ہدف کا مفہوم سمجھنا چاہیے۔۱۲ * الف مضموم صحیح ہے۔ بالفتح غلط ہے۔۱۲ * ہرزہ بفتح ہا، ہوز زا اول بمعنی بیہودہ۔ درا بفتح دال بمعنی جرس۔ دونوں کو ملا کر بیہودہ بکنے والے کا مفہوم سمجھنا چاہیے۔۱۲

ہے حکم ترا سب کے لیے حجّتِ کافی — ہے رحمتِ عالی تری جاگیرِ معافی
ہے خاکِ درِ پاک تری نسخۂ شافی — ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی

۱۳ دیں داروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

باقی نہیں اس عہد میں حالت کوئی اصلی — کہتے ہیں بشر جس کو وہ تصویر ہے شر کی
اللہ! جہالت ہے یہ پھیلی ہوئی کیسی — عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی

۱۴ منعم ہے* سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

حالات ہیں ابنائے زمانہ کے غم اندوز — گل محفلِ تہذیب میں ہے شمعِ شب افروز
روشن بھی اگر ہے تو بایں شکلِ ادب سوز — یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز

۱۵ یہ مجلسِ اعیاں* ہے وہ بزمِ شرفا ہے

بچوں میں حرارت ہے نہ ہمت ہے بڑوں میں — لڑکوں میں لیاقت ہے نہ عظمت ہے بڑوں میں
خردوں میں سکت ہے نہ کرامت ہے بڑوں میں — چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں

۱۶ پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

* شعرائے حال خصوصاً وہ جو پابند قواعد وغیرہ ہیں اس لفظ کو متروک کیے ہوئے ہیں مگر مولانا حالی اس ترک کے موید نہ تھے۔ ۱۲

* بزرگِ قوم۔ راقم کے خیال میں اس لفظ کا اردو ترجمہ دیدارو یعنی نمایاں اشخاص سے بہتر نہیں۔ ۱۲

ہے جستجو، نفع نہ کچھ خوفِ ضرر ہے — ذلت کا جو ساماں ہے سب پیشِ نظر ہے
کیا اپنی تباہی میں کوئی اب بھی کسر ہے — دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے

۱۷ اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

جو قوم کہ افلاس و جہالت سے ہے مُلصق (چپکا ہوا) — اُس قوم کی دارین میں عزت نہیں مطلق
اسلام کا اپنے یہی ایمان ہے اُلحق — ہے دین کی دولت سے بہا، علم سے رونق (روشنی اور زینت)

۱۸ بے دولت و علم اُس میں نہ رونق نہ بہا ہے

نادان کی نظروں میں ہو کیا قیمتِ گوہر — جب تک نہ شناسندہ ہو کھلتے نہیں جوہر
ہے دین میں اور علم میں نسبت یہ سراسر — شاہد ہے اگر دین تو علم اُس کا ہے زیور

۱۹ زیور ہے اگر علم تو مال اُس کی جلا ہے

جس طرح کہ بے علم کی ہے دین میں ذلت — دنیا میں یُنہیں کچھ نہیں مفلوک کی عزت
تاریخ پڑھی جائے تو کھل جائے حقیقت — جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت

۲۰ اُس قوم کی اور دین کی پانی یہ بنا ہے

وہ قوم جو ہر قوم سے رہتی تھی سوائی — وہ قوم کہ جس قوم کی شاہی تھی گدائی

یا شاہِ رسل شافعِ کل اُسن یہ دُہائی | گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی

٢١ پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

جس قوم میں باقی ہوں نہ جوہر نہ جواہر | دیکھیں نگہِ قدر سے کیا اُس کو معاصر
جو کچھ نظر آتا ہے اب اسلام بظاہر | ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر

٢٢ مدت سے لیے دَورِ زماں میٹ رہا ہے

ماموں× کی حکومت ہے نہ اکبر** کا ہے اجلال | اگلا سا نہ بغداد نہ دلی ہے نہ بنگال
پستی کی یہ نوبت ہے مذلت کا یہ احوال | جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال

٢٣ ادبار کی اب گونج رہی اُس میں صدا ہے

وہ دن بھی کبھی تھے کہ بنے وقت کے آثار | کہتے تھے کہ مٹنے کا نہیں ڈر ہمیں زنہار
پلٹی یہ ہوائیں یہ مسلط ہوا ادبار | بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار

٢٤ جو چلتی ہے اب، چلتی خلاف اُس کے ہوا ہے

جس ملک میں رخشندہ تھی مانندِ سحر شام | جس ملک میں تاریکی و ظلمت کا نہ تھا نام

× خاندانِ عباسیہ بغداد کا چھٹا علم دوست اور مشہور خلیفہ سنہ ١٩٨ ہجری میں تخت نشین ہوا اور بیس سال تک سلطنت کی ۱۲۰

** خاندانِ مغلیہ دہلی کا نامور و با اقبال بادشاہ جلال الدین نام تھا سنہ ١٠١٤ ہجری میں وفات پائی ۱۲۰

اندھیر یہ کیسا ہی کہ اے گردشِ ایام	ق	وہ روشنیٔ بام و درِ کشورِ اسلام

٢٥ یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہی

وہ مُلک وہ اقبال وہ لشکر نہ وہ ہی راج	وہ تخت نہ دیہیم (تاج ١٢) نہ پرچم (پارچۂ علم ١٢) نہ وہ سرتاج
ان سب کا پتا کیا ہو کہ یا صاحبِ معراج	روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج

٢٦ بجھنے کو ہی اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہی

پستی نے دبایا ہی ہمیں یوں تہِ زانو	گویا کہ نکلنے کا نہیں ہی کوئی پہلو
یہ دیکھکے دل روئے نہ کیوں خون کے آنسو	عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہرسو

٢٧ اس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہی

احساسِ ترقی ہی کہاں بے خبروں میں	جیتوں میں مسلمان ہیں شامل نہ مُردوں میں
رونق کے ہیں سامان کہاں ایسے گھروں میں	چاؤُش* تھے للکارتے جن رہگزروں میں

٢٨ دن رات بلند اُن میں فقیروں کی صدا ہی

وہ نور کہ سورج سے سوا جس میں جھلک تھی	وہ حُسن کہیں جس کی جھپکتی نہ پلک تھی

* چاؤش بروزن طاؤس بمعنی نقیب - ترکی زبان کا لفظ ہی - برہان قاطع میں چاوش بروزن پاشنج بھی لکھا ہی - ١٢

وہ ذات جو انسان کی صورت میں ملک تھی	وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی

۲۹ وہ یاد میں اسلاف کی اب رو بقفا ہی*

جو قوم کہ حاکم تھی عرب اور عجم کی	جو قوم کہ سردار تھی فوج اور علم کی
جو قوم کہ اُستاد تھی تحریر و قلم کی	جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حِکم کی

۳۰ اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہی

اُس قوم میں کل نامِ خدا امن تھا جتنا	برپا ہی سوا اُس سے فسادات کا فتنا
آثارِ گزشتہ کا نشاں آج ہی کتنا ؟	کھوج اُن کے کمالات کا لگتا ہی بس اتنا

۳۱ گُم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہی
جرس ۱۲

غم کب تک اُٹھائیں کہ اُٹھائے نہیں بنتی	کھائیں بھی اگر غم کو تو کھائے نہیں بنتی
کیا حال سُنائیں کہ سُنائے نہیں بنتی	بگڑی ہی کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

۳۲ ہی اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ خدا ہی

ڈھلے ہوئے ہیں قہر و ستم، یاس بلا کے	ملتے ہیں نتیجے نہ دوا کے نہ دعا کے

* قفا بمعنی پس پشت - رو بقفا فارسی محاورہ ہی یعنی منہ پھرا ہوا ہونا مطلب یہ کہ اسلاف کی یاد کو بھولا ہوا ہی ۱۲

ء حِکَم بکسر حا و فتح کاف جمع حکمت - ۱۲

کس طرح نہ مایوس ہوں دلِ خلقِ خدا کے | تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے

۳۲ اب خوف ہی مدت سے دلوں میں نہ رجا* ہی

برگشتگیِ بخت سے کیوں کر نہ ہوں مبہوت | بنتا ہی خزف، ہات میں آتا ہی جو یاقوت
تقدیر کی گردش نہیں وجہِ عدمِ قوت | جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتوں کے ہیں کرتوت

۳۳ شکوہ ہی زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہی

جب علم نہ ہو ہم میں تو ہو کیوں نہ جہالت | دولت نہ ہو جب پاس تو کیوں کر نہ ہو عُسرت
کس منہ سے کریں بخت و مقدر کی شکایت | دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت

۳۵ سچ یہ ہی بُرے کام کا انجام بُرا ہی

حیرت ہو نہ کیوں جبکہ یہ حالت ہو یہاں کی | شکلیں متغیر ہیں ہر اک پیر و جواں کی
دیکھی نہیں پلٹی ہوئی مت ایسی جہاں کی | کی زیبِ بدن سب نے ہی پوشاک کتاں** کی

۳۶ اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہی

* رجا بفتح اول بمعنی اُمید - وامیدوار - اور ڈرنے کے معنی میں بھی آیا ہی مگر یہاں اُمید کے معنی میں ہی. بکسر اول جیسا کہ بازوں پر ہی غلط ہی- ۱۲ ** باریک پوشاک جس کے متعلق شعرا میں یہ مبالغہ ہی کہ نزاکت کے سبب چاندنی میں پارہ پارہ ہوجاتا ہی. کتان بفتح اول و تشدید تار فوقانیہ بھی فارسی میں مستعمل ہی. لفظاً اس کا نون مثل کمان کے مخفی ہی- ۱۲

کیا سر ہو مخالف کے مقابل کوئی میداں | چلتی ہی اُدھر توپ اِدھر خنجر و پیکاں
کس طرح نہ بے کار ہو یہ ساز یہ ساماں | درکار ہی یاں معرکے میں جوشن* و خفتاں

۳۷ اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ رِدا ہی

تدبیر کے انجام کا ہر شخص ہی قائل | تدبیر ہی ناقص ہو تو کیا نفع ہو حاصل
سرشار ہیں کیا بادۂ غفلت میں یہ غافل | دریاے پُر آشوب ہی اک بیچ میں حائل

۳۸ اور بیٹھکے گھڑناؤ** پہ یاں قصدِ شنا ہی

ہات آتی ہی دنیا میں کوئی چیز کہاں مفت | کرتے ہیں تجسس عبث ابناے زماں مفت
کس طرح نہ ضائع ہو پھر اوقاتِ گراں مفت | ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں مفت

۳۹ واں قافلہ سب گھر سے تہی دست چلا ہی

گم کردہ خرد ہیں کہ نہیں ہوش ٹھکانے | رکھا نہ کہیں کا طمع و حرص و ہوا نے
دو(۲) ایک(۱) سے کرتے ہیں جو ہوتے ہیں سیانے | یاں نکلے ہیں سودے کو درم لے کے پرانے

* جوشن و خفتاں مثل زرہ و بکتر کے خاص لباس ہی جو لڑائی میں پہنا جاتا ہی۔ ۱۲ ** اس لفظ کی مکمل تحقیقات ابھی نہیں ہوئی ہی۔ کسی اُردو لغت میں نظر نہیں آیا۔ قیاساً گھڑوں دسبوچہ ، سکے ذریعے سے جو شناوری کی جاتی ہی اُس کو گھڑناؤ بفتح کاف فارسی کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲ ؎ شنا کے شین کو کسرہ ہی بمعنی شناوری تیرنا۔ ۱۲

ص۴۰ اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

ہیں جہل کی آفت سے مسلمان پریشاں — رحمت کی نظر کیجیے اے خاصۂ یزداں
ہر طرح خرابی کے نظر آتے ہیں ساماں — فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں

ص۴۱ بیڑا یہ تباہی کے قریب آن※ لگا ہے

اے نورِ ہدایت بابیٔ* انتَ وَ اُمّیُ — اے مہرِ شفاعت بابیٔ انتَ وَ اُمّیُ
اے شافعِ اُمت بابیٔ انتَ وَ اُمّیُ — اے چشمۂ رحمت بابیٔ انتَ وَ اُمّیُ

ص۴۲ دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

مداح نہ کیوں کر ہو ترا، اپنا پرایا — ممنونِ کرم خلق سے دنیا کو بنایا
یہ لطف یہ اعجاز بھلا کس نے دکھایا — جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھُڑایا

ص۴۳ جب تو نے کیا نیک سلوک اُس سے کیا ہے

محروم ترے لطف سے جھوٹا ہے نہ سچا — ہے عام ترے جود ترے خُلق کا چرچا

※ محاورۂ عرب ہے یعنی میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں۔ ۱۲

* یہ لفظ موجودہ شعرا و فصحا کے کلام میں متروک الاستعمال ہے۔ ۱۲

برتاؤ بُروں سے بھی رہا ہی ترا اچھا | صدمہ دُرِ دنداں* کو ترے، جن سے کہ پہنچا

۴۴ھ | کی اُن کے لیے تو نے بھلائی کی دعا ہی

کھائی وہ غذا دی ہوئی روباہ* وشوں کی | کھاتے ہی جسے ہوتی ہیں ایذائیں غشوں کی
لیکن کوئی پروانہ کی ان کشمکشوں کی | کی تو نے خطا عفو ہی اُن کینہ کشوں کی

۴۵ھ | کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے× زہر دیا ہی

حاصل ہی رسولوں پہ تجھے فضل و تقدُّم | ہی وحیِ خدائے دو جہاں تیرا تکلّم
اے رحمتِ حق تجھ پہ فدا اپنے اب و اُم | سَو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحُّم

۴۶ھ | ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہی

ہوتی تھی بُرا کہکے تجھے جن کو دلیری | اُن سب کی بُری رائے ترے خُلق نے پھیری
کیا ذکر کے قابل کوئی تعریف ہو میری | جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری

۴۷ھ | منقول اُنھیں سے تیری پھر مدح و ثنا ہی

* غزوۂ اُحد ۳ سنہ ہجری میں واقع ہوا اس میں مشرکین کی تیر اندازی سے آنحضرت صلعم کا دندانِ مبارک شہید ہوا ۱۲-
* روباہ لومڑی کو کہتے ہیں جو نہایت چالاک اور مکار ہوتی ہی۔ روباہ وش دھوکا دینے والا۔ مکار وش لفظ تشبیہ ہی جو اسمات ملکر صفت کے معنی پیدا کرتا ہی۔ فرہنگ جہاں گیری میں شیر وش اور شاہ وش کی تمثیل لکھی ہی ۱۲-
× سنہ ہجری کے غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے کھانے میں زہر دیا تھا۔

پھونکا ہی بہت قلب و جگر جہل کی تپ نے　　ظالم نہیں دیتی ہی کسی طرح پنپنے
یا شاہِ رُسل تو ہمیں اب دے نہ تڑپنے　　برتاؤ ترے جبکہ یہ اعداسے ہوں اپنے
۴۸　اعداسے غلاموں کو کچھ اُمید سوا ہی

دن رات پریشاں ہی اسی رنج و قلق میں　　نیکی نہیں کچھ دفترِ عصیاں کے ورق میں
پھیلی ہیں بڑی ابتریاں نظم و نسق میں　　کر حق سے دعا اُمتِ مرحوم کے حق میں
۴۹　خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہی

انساں ہو کہ حیواں ہو فرشتہ ہو کہ ہو جن　　یکساں ہوں سب افراد یہ ہرگز نہیں ممکن
ہر ایک کو ہی اس کا یقیں ظاہر و باطن　　اُمت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
۵۰　دلدادہ ترا ایک سے ایک اِن میں سوا ہی

دارین میں ہوتے جو نہ ہم کو یہ سہارے　　لگتی نہ کبھی کشتیِ اُمید کنارے
یہ قول ہیں اُن کے جو ہیں اسلام کے پیارے　　ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
۵۱　وہ تیری محبت تری عترت کی وِلا ہی

ہر چند کہ اچھا نظر آتا نہیں انجام　　لیکن ترے الطاف سے بن جائے گا ہر کام

ایمان ہمارا ہے یہ اے بانیِ اسلام — ہر چپقلشِ دہر مخالف میں ترا نام

۵۲ — ہتیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

بدبخت جبیں ہے، جو ترے در سے ہے مڑتی — یہ آس ہے ایسی کہ نہیں ٹوٹ کے جڑتی
تقدیر سے ملتی ہے مقدر سے ہے جڑتی — جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اُڑتی

۵۳ — وہ خاک ہمارے لیے دارو ئے شفا ہے

کعبے سے پھرے گا وہی ہوگا جو مُنحرّف — ہیں اُس کی اطاعت کے لیے ہم تو مکلّف
اللہ رے شرف اے شہِ دیں اے شہِ اشرف — جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرّف

۵۴ — اب تک وہی قبلہ تری اُمت کا رہا ہے

دنیا میں ہے جو کچھ وہ ہے سب تیری بدولت — ہوتا نہ اگر تو تو نہ ہوتی کوئی خلقت
ہے تیری ہی تشریفِ مقدّس سے یہ عزت — جس مُلک نے پائی تری ہجرت سے سعادت

۵۵ — کعبے سے کشش اُس کی ہر اک دل میں سوا ہے

× حسب بیان غیاث اللغات چپقلش بفتح جیم و سکون بائے فارسی و ضم قاف و فتح لام ترکی زبان کا لغت ہے بمعنی جنگ شمشیر۔ و ردّ و بدل۔ اور اُردو میں فتح قاف سے مشہور ہے۔ بعض اردو داں لام کو مکسور جانتے ہیں مگر مرزا داغ مرحوم نے بفتح لام لکھا ہے۔ اردو میں بمعنی انبوہ بھی ہے۔ سے ہوئی لوگوں کی چپقلش کیا کیا + رہی آپس میں کشمکش کیا کیا + ۱۲

دل مطمئن اصلا نہیں بادشاہ کسی کا | چاروں طرف اس وقت ہے اک حشر سا برپا

کیفیتِ امروزہ سے بے چین ہے دنیا | کل دیکھیے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا

۵۶ اب تک تو ترے نام پر ایک ایک فدا ہے

دنیا میں اُٹھاتے ہیں خساروں پہ خسارے | اور پستیِ ہمت سے بھی ہیں گور کنارے

لیکن یہ ہیں سمجھے ہوئے تقدیر کے مارے | ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے

۵۷ نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے

در اپنے معاصی کے ہیں ہر وقت کشادہ | رکھتے نہیں ہم دل میں کوئی نیک ارادہ

لیکن تری رحمت کا یہ ہے عام اِفادہ | گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ

(فائدہ دینا ۱۲)

۵۸ اخبار میں اَلطَّالِحُ لِی× ہم نے سُنا ہے

سو مرتبہ آنکھ اپنی غمِ جہل پہ روئی | اور فردِ گنہ اشکِ ندامت نے بھی دھوئی

تقدیر کچھ اس طرح مگر اپنی ہے سوئی | تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی

۵۹ ہاں ایک دعا تیری جو مقبولِ خدا ہے

جو دین کے طالب ہیں وہ دنیا سے ہیں نالاں | اُن کو نہیں درکار کسی عیش کا ساماں

× حدیث شریف ہے۔ اَلصَّالِحُوْنَ لِلّٰہِ وَ الطَّالِحُوْنَ لِیْ۔ یعنی میری اُمت کے اچھے اللہ کے لیے اور بُرے مجھ پر ہیں۱۲

ہی فخر اُنھیں فقر پہ یا شاہِ رسولاں — خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزّت کے ہیں خواہاں

۶۰ پر فکر ترے دین کی عزّت سے سوا ہی

گو ظلم سے اغیار کے تکلیف ہی بھاری — اور قلب و جگر پر ہیں کئی زخم بھی کاری

لیکن ہمیں واللہ نہیں جان بھی پیاری — گر دین کو جو کھوں نہیں ذلّت سے ہماری

۶۱ اُمّت ترے ہر حال میں راضی برضا ہی

دستِ ستم و جور سے کھاتے رہیں ماریں — لیکن نہیں ممکن ہی کہ ہمّت کبھی ہاریں

ہر حال میں خوش رہ کے نہ کیوں عمر گزاریں — عزّت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں

۶۲ اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلّت میں مزا ہی

بے تاب ہی بے چین ہی گو رنج و تعب سے — لیکن نہو مایوس کبھی رحمتِ رب سے

ڈرتا نہیں قہّار کے بھی قہر و غضب سے — ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے

۶۳ باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہی

احسن! نہیں یہ طرزِ سخن بہتر و انسب — اس بے ادبی سے کوئی نکلے گا نہ مطلب

ہُشیار ہو! سُن بات مری ہو کے مُودّب — ہی یہ بھی خبر تجکو کہ ہی کون مخاطب

یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ (آواز) خطا ہی

مطبع ملّیہ علی گڑھ میں چھپا

اور

مسلم یونیورسٹی بک ڈپو

سے

شائع ہُوا